دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

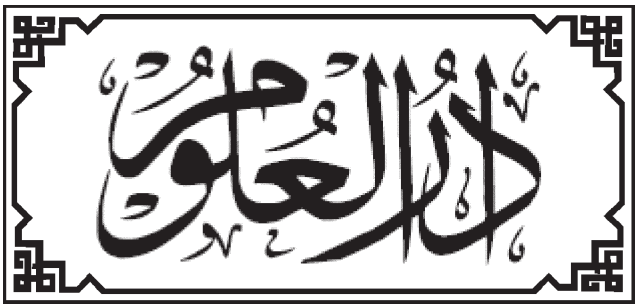



| جلد: ۹۴ | ذیقعدہ-ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر ۲۰۱۰ء | شمارہ: ۱۱ |
|---|---|---|



| نگراں | مدیر |
|---|---|
| حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب<br>مہتمم دارالعلوم دیوبند | حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب<br>استاذ دارالعلوم دیوبند |



ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵ روپئے، سالانہ-/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰ روپئے



Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com



R. N. I. No. 2133/57

**DARUL ULOOM** Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | نگارش | نگارش نگار | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | حرفِ آغاز | حبیب الرحمٰن اعظمی | ۳ |
| | برصغیر ہند میں دینی نظام تعلیم کے مجدد | | |
| ۲ | متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور... | مولانا سید ارشد مدنی | ۷ |
| ۳ | قربانی کے سلسلے میں امت کا تعامل | | |
| | حقائق، مسلّمات اور غلط فہمیاں | مفتی رشید احمد فریدی | ۱۹ |
| ۴ | انکارِ حدیث کیوں؟ | مولانا محمد یوسف لدھیانوی | ۲۹ |
| ۵ | حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ | | |
| | کارگذار مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مختصر احوال | مولانا محمد عثمان مولیپوری | ۳۸ |
| ۶ | اکابر دیوبند کیا تھے؟ | مولانا محمد تقی عثمانی | ۵۰ |
| ۷ | ان فتنوں پر میڈیا و ''دانشوران'' کو | | |
| | کیوں سانپ سونگھ گیا؟ | ڈاکٹر ایم-اجمل فاروقی | ۵۶ |


## ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

علمی دنیا میں یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اوران کے متبعین علماء وفقہاء شرعی امور میں قرآن وحدیث کی جس قوت وشدت اور ہمہ گیری کے ساتھ پیروی کرتے ہیں وہ مذاہب فقہاء ومحدثین میں ان کا ایک خاص امتیازی وصف ہے۔ کیوں کہ دیگر بہت سارے مجتہدین کی طرح امام ابوحنیفہؒ صرف مرفوع حدیث ہی کو حجت نہیں مانتے بلکہ وہ مرفوع احادیث کے ساتھ موقوف ومرسل حدیثوں کو بھی فقہی احکام ومسائل میں لائق استدلال مانتے ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اصول اجتہاد کو خود ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

اِنِّیْ آخُذُ بکتاب اللّٰہ اذا وجدتہ، فما لم اجدہ فیہ اخذت بسنۃ رسول اللّٰہ والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات، فاذا لم اجد فی کتاب اللّٰہ ولا سنۃ رسول اللّٰہ اخذت بقول اصحابہ من شئتُ وادَعُ قولَ من شت، ثم لا آخرُج عن قولھم الی قولِ غیرھم.

واذا انتھی الامرُ الی ابراھیم، والشعبی، والحسن، وعطاء، وابن سیرین، وسعید بن المسیب – وعدَّدَ رجالا – فقوم قد اجتھدو فلی ان اجتھدَ کما اجتھدوا(۱)

(الانتقاء للامام الحافظ ابن عبد البر مع تعلیق الشیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ، ص: ۲۶۴-۲۶۵)

ترجمہ: میں (شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں جب وہ احکام مجھے کتاب الٰہی میں مل جائیں، اور جو احکام مجھے قرآن میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ اوران صحیح آثار پر عمل

(۱) وروی ھذا الخبر الامام الصَیْمَرِیّ المتوفی ۵۴۳۶ فی کتاب "اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص: ۱۰، والامام الموفق المکی فی "مناقب ابی حنیفۃ": ۱، ص: ۷۹، والحافظ الذھبی فی "مناسب الامام ابی حنیفہ" ص: ۲۰، والحافظ الصالحی الدمشقی فی "عقود الجمان" ص: ۱۷۲، واللفظ ھنا للصیمری وللموفق.

کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے منقول ہوکر ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہیں، اور اگر کتاب الٰہی اور حدیث نبوی (دونوں) میں نہیں پاتا تو آپ ﷺ کے صحابہ کے اقوال میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں (البتہ حضرات صحابہ کے قول سے باہر نہیں جاتا کہ) سارے صحابہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار کرلوں۔

اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیّب (رحمہم اللہ) وغیرہ متعدد حضرات تابعین کے نام شمار کئے) تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا لہٰذا مجھے بھی حق ہے کہ ان حضرات کی طرح اجتہاد کروں۔ یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان ائمہ مجتہدین کی طرح خدائے ذوالمنن کی بخشی ہوئی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہوں اور اپنے فکر واجتہاد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کرتا ہوں۔

امام ابن حجر ہیثمی مکی امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں:

"لیس لاحدٍ ان یقول برائه مع کتاب اللّٰه تعالٰی و لا مع سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم و لا ما اجمع علیه اصحابه" (خیرات الحسان، ص:۲۷)

کسی شخص کو کتاب الٰہی، وسنت نبوی اور حضرات صحابہ کے اجماع کے مقابلے میں رائے زنی کا کوئی حق نہیں ہے۔

امام صاحب نے ان اقوال میں اپنے اصول اجتہاد کو واضح اور صاف لفظوں میں بیان کردیا ہے کہ وہ رائے واجتہاد سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب انہیں کسی مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور حضرات صحابہ کے اقوال میں کوئی حکم نہیں ملتا۔ پھر ان اجتہادی مسائل میں بھی وہ اس درجہ احتیاط برتتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلے میں بھی اپنے فکر واجتہاد کو چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن القیم اپنی مشہور وگرانقدر کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

واصحاب ابی حنیفة رحمه اللّٰه مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عنده اولٰی من القیاس والرائ وعلی ذلك بنی مذهبه" (ج:۱،ص:۷۷)

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ وتبعین کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے نزدیک قیاس ورائے سے اولیٰ وبہتر ہے اسی نظریہ پر انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اجتہادی مسائل میں امام صاحب احادیث

وآثار سے آزاد ہوکر کبھی کوئی رائے قائم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ شرعی احکام میں جو رائے بھی قائم کریں وہ سنت واثر کے تابع ہو۔ پس یوں سمجھنا چاہیے کہ ظاہر میں تو وہ امام صاحب کا قول ہوتا تھا لیکن حقیقت میں وہ حدیث کی تفسیر وتوضیح ہوتی ہے، اسی لیے سرتاج محدثین امام عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے۔

ولا تقولو رأیُ ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث"

(ذیل الجواہر المضیۃ، ج:۲،ص:۴۶۰)

لوگو یہ نہ کہا کرو کہ یہ ابوحنیفہؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر وبیان ہے ایک دوسرے موقع پر انہی امام المحدثین عبداللہ بن مبارکؒ نے امام صاحبؒ کی اصابت رائے اور اس کی ضرورت واہمیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرأی، فرأی مالك، وسفیان، وابی حنیفة، وابو حنیفة احسنهم وادقهم فطنة واغوصهم علی الفقه، وهو افقه الثلاثة" (تاریخ بغداد للخطیب، ج:۱۳،ص:۳۴۳)

اگر حدیث معلوم ومعروف ہو اور (اس کی مراد کی تعیین میں) رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کی رائے (ملحوظ رکھنی چاہیے) اور امام ابوحنیفہؒ ان تینوں میں فہم وادراک میں زیادہ بہتر اور فقہ کی تہہ تک زیادہ پہنچنے والے تھے۔

اور امام المحدثین سفیان بن عیینہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی بات حدیث سے ہٹ کر نہیں کہی ہے بلکہ انھوں نے جو بھی کہا ہے اس کی تائید میں ایک دو حدیث موجود ہے۔ چنانچہ مشہور ثقہ محدث علی بن خشرم کا بیان ہے کہ:

"کنا فی مجلس سفیان بن عیینة فقال: یا اصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لا یقهر کم اصحاب الرأی، ما قال ابو حنیفة شیئاً الا ونحن نروی فیه حدیثا او حدیثین" (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، ص:۶۲)

ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں تھے تو انھوں نے کہا اے حدیث سے اشتغال رکھنے والو، حدیث میں تفقہ حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ تم پر اصحاب فقہ غالب ہو جائیں، امام ابوحنیفہؒ نے کوئی بات ایسی نہیں بیان کی ہے کہ ہم اس سے متعلق ایک، دو حدیثیں روایت نہ کرتے ہوں۔

امام سفیان بن عیینہ نے اپنے اس ارشاد میں حاضرین مجلس کو دو باتوں کی طرف متوجہ کیا

ہے ایک یہ کہ وہ الفاظ حدیث کی تحصیل وتصحیح کے ساتھ حدیث کے معنی وفقہ کے حاصل کرنے کی بھی سعی کریں دوسرے امام صاحب کی اصابت رائے اور بصیرت فقہ کی تعریف میں فرمایا کہ ان کی رائے وفقہ حدیث کے مطابق ہے کیوں کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی تائید وتوثیق کسی نہ کسی حدیث سے ہوجاتی ہے۔ اس کمالِ اصابت رائے اور بے نظیر فقہی بصیرت کے باوصف تواضع وبے نفسی اور وسعت نظری وکشادہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ برملا فرماتے تھے۔

"هذا الذی نحن فیه رائٌ لا نُجبر احدا علیه ولا نقول: یجب علی احد قبوله بکراهة فمن کان عنده شیء احسن منه فلیات به" (الانتقاء مع تعلیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، ص:۲۵۸)

یہ بات جو ہم کہہ رہے ہیں یہ (ہماری) رائے ہے کسی کو اس پر ہم مجبور نہیں کرتے، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ناپسندیدگی کے باوجود کسی پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اور اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ اسے پیش کرے۔ (یعنی ہم اسے بسروچشم قبول کرلیں گے)

امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے امام صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"هذا رأی هو احسن ما قدرنا علیه فمن جاء نا باحسن من قولنا فهو اولی بالصواب منّا" (تاریخ بغداد، ج:۱۳، ص:۳۵۲)

یہ ہماری رائے ہے اور ہماری وسعت وقدرت کے مطابق یہ بہترین رائے ہے، اگر کوئی شخص ہمارے سامنے ہماری اس رائے سے بہتر رائے پیش کرے گا تو وہ ہمارے مقابلہ میں درستگی سے زیادہ قریب ہوگا۔

امام صاحب کی اسی اصابت رائے بے مثال فقہی بصیرت اور احادیث وآثار کی حد درجہ اتباع وپیروی پھر اس پر مستزاد کشادہ نظری اور تواضع وانکساری کا ثمرہ ہے کہ آج بھی جبکہ اعجاب کل ذی رأی برائه کا ظہور اپنے شباب پر ہے اور خود پسندی وخودداری کا عام شیوع ہے پھر بھی عالم اسلام کی غالب اکثریت انہیں کی فقہ اور تفسیر نصوص کو حرز جان بنائے ہوئے ہے، ذلك فضل الله یوتیه من یشاء.

❁ ❁ ❁

# برصغیر ہند میں دینی نظام تعلیم کے مجدد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور خلافت عثمانیہ ترکی

از: مولانا سید ارشد مدنی صاحب

تاریخ عالم میں بارہا ہوا ہے کہ کسی قوم یا ملک کے زوال پذیر معاشرہ، بلکہ کئی مرتبہ ایسے سخت حالات اور وقت میں، جب اس قوم کے باشندوں اور اس ملک میں ملت کے افراد کے لئے امید کی کوئی کرن مستقبل کی کوئی امنگ اور نوید باقی نہیں رہتی، اچانک کوئی ایک شخص نمودار ہوتا ہے جو اپنی بے لوث خدمت، بے پناہ صلاحیت، مستقبل بینی اور دوراندیشی کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ذریعہ سے، آنے والے وقت کے بگاڑ وزوال کا ادراک واندازہ کرلیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے کہ یہ جو جہالت وبے راہ روی اور دین سے بیزاری کی فضا بنی ہے اگر ابھی سے اس کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور آنے والے متوقع طوفان کے لئے اگر ابھی سے فکر وکوشش نہ کی گئی، ابھی سے باندھ نہ بنایا گیا، تو آنے والے وقت میں، حالات کا یہ بہاؤ، بگاڑ کے یہ سامان اور زوال کے یہ روش، قوم وملت اور ملک کے باشندوں کو اپنے ساتھ بہا کر لیجائے گی اور ہوسکتا ہے کہ پھر اس درخت کی جڑیں جمانا اور اس سے نئی پود، نئی نسل تیار کرنا، دشوار ہوجائے، ایسے وقت میں یہ غیر معمولی (عبقری) افراد، کوئی ایسی تدبیر، ایسا راستہ اور ایسا نظام تلاش کرلیتے ہیں، جس کے ذریعہ سے قوم وملت کو راہ نجات تلاش کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے اور پھر یہی طریقہ، یہی نظام آہستہ آہستہ مقبول ہوکر، قوم وملت کے مستقبل کی حفاظت کے پشتہ اور باندھ کا کام کرتا ہے اور اسی سے وابستہ رہ کر ملت صدیوں تک اپنی دینی علمی، اصلاحی سیاسی سفر پورے عزم وحوصلہ ثبات واستقلال کے ساتھ طے کرتی رہتی ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان کے ایسے ہی نہایت منتخب روزگار اور برگزیدہ افراد میں سے، ایک بہت ممتاز نام، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ واسعہ کا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم، ہندوستان کے ایک ممتاز باعزت، صدیقی خاندان کے فرد، جلیل القدر عالم، حدیث وفقہ کے عالی مرتبہ ماہر، تصوف کے رمزشناس، علوم اسلامی کے شناور، اسرار شریعت کے رازداں، زوال ملت کے نبض شناس، میدان جنگ کے حوصلہ مند سپاہی اور مجاہد نیز مغلیہ دورحکومت کے بعد، ہندو پاکستان کے سب سے بڑے معروف سب سے بافیض، دینی علمی ادارہ بلکہ ملت اسلامیہ کی آبرو، دارالعلوم دیوبند کے قافلہ سالار تھے۔

## خاندان ونسب

حضرت مولانا محمد قاسم کا ایک قدیم صدیقی خاندان سے رشتہ ہے، جو اہل خاندان کی روایت واطلاع کے مطابق، ہندوستان کے لودھی خاندان کے بادشاہ، سکندر لودھی کے دورحکومت میں، ۸۷۸ھ (۱۴۷۳/۷۴ء) ہندوستان آیا تھا۔ اس خاندان کے ہندوستان آنے والے پہلے شخص شیخ مظہرالدین صدیقی تھے، صدیقیان نانوتہ کی خاندانی روایت ہے کہ سکندر لودھی نے ان کے علم وکمالات کی شہرت سنی تو ان کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی، جس کو قبول کرتے ہوئے وہ ہندوستان آگئے تھے۔(۱) ان کے فرزند، قاضی میران بڑے سہارنپور دہلی، کی ایک نواحی بستی نانوتہ کو اپنا مسکن بنایا، (جواب ایک ضلع سہارنپور اتر پردیش میں شامل ہے) قاضی میران بڑے کی نانوتہ میں، رجب ۹۰۲ھ (مارچ ۱۴۹۷ء) کو وفات ہوئی، ان کی اولاد میں شیخ محمد ہاشم ایک عالم تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا، ان کی اولاد کی تمام شاخوں میں بڑے بڑے علماء، مصنّفین اور اہل کمال پیدا ہوئے۔ وہ علماء مصنّفین اور اہل کمال، جو بعد میں برصغیر ہند کی دینی علمی تاریخ کے ماہ وانجم ثابت ہوئے اور جن کی خدمات، برصغیر کی تاریخ کے صفحات پر اس طرح مرقوم ومرتسم ہیں، کہ اب ان کے تذکرہ کے بغیر نہ ہندوستان کی کسی علمی تحریک کا تذکرہ مکمل ہوسکتا ہے، نہ کاروان علم واخلاص کا۔ یقیناً یہ حضرات ایسے لوگوں میں شامل ہیں جن کو یہ کہنے کا حق ہے کہ:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس خاندان اور اس بستی کے اس علمی کارواں نے آخر میں ایک کہکشاں کی صورت اختیار کرلی تھی، جس میں کئی ایک آفتاب وماہتاب گردش کررہے تھے، ان میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین نام، حضرت مولانا محمد مملوک العلی نانوتوی (ولادت: ۱۲۰۷ھ/ وفات: ۱۲۶۷ھ) کا ہے۔ جنھوں نے ہندوستان میں خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد، ایک نئے علمی دبستان کی رہنمائی

وسربراہی کی، مسلمانوں کوعصر حاضر کی ضروریات اور دین پر ثبات واستقامت، دونوں کوساتھ لے کر چلنے کا ایسا متوازن سبق دیا، کہ اس کے اثرات آج تک ہندوستان کے ہراک تعلیمی ادارہ پر گویا نقش ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت ونظام کے خلاف، برپا ایک بڑی جدوجہد (تحریک ۱۸۵۷ء) کے بعد سے ہمارے اس ملک میں مسلمانوں نے جو بھی تعلیمی ادارے، دارالعلوم، مدرسے اور کالج قائم کئے، وہ تمام مولانا مملوک العلی کی تربیت کا اثر، ان کے عالی مرتبہ شاگردوں کی کوششوں کا ثمرہ اور یادگار ہیں۔

## حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ

حضرت مولانا مملوک العلی کے ایک اور قریبی عزیز، مولانا مظہر نانوتوی تھے جو اس عہد کے ایک اور بہت برگزیدہ عالم اور محدث، حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی، مہاجر مدنی، نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ (ولادت: ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ/ چہارشنبہ، وفات: ۲۹؍محرم الحرام ۱۱۷۶ھ شنبہ ۱۲؍اگست ۱۷۶۲ء) کے عزیز شاگرد اور خدمت ودرس حدیث میں اپنے دور میں بہت مشہور وممتاز تھے اور ہندوستان کا ایک بڑا دینی ادارہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور گویا مولانا کی محنتوں، محبوبیت اور وسیع حلقۂ درس کا ہی ایک مظہر ہے۔ حضرت مولانا محمد مظہر کی بڑی علمی درسی خدمات ہیں، ان کے بڑے بڑے عالی مرتبہ شاگرد ہیں، جو ہندوستان کی دینی علمی تاریخ کا فخر شمار کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا کی علمی خدمات میں سے ایک دو بڑی اہم خدمات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا نے احیاء العلوم امام غزالی کا کئی قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے صحیح متن مرتب کیا، اس پر مختصر حاشیہ لکھا اور اس کو شائع کرایا، مولانا کی ایسی ہی ایک اور بڑی خدمت مجمع البحار، علامہ محمد طاہر پٹنی کی تصحیح واشاعت ہے۔ اور مولانا محمد مظہر سنہ ۱۲۳۷ھ (۲۲-۱۸۲۱ء) میں پیدا ہوئے تھے، محمد مظہر تاریخی نام ہے۔ ۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ (۳؍اکتوبر ۱۸۸۵ء) کو وفات ہوئی، سہارنپور میں دفن کئے گئے۔ (۲)

## مولانا یعقوب نانوتویؒ

مولانا مملوک العلی کے فرزند، ۱۳؍صفر ۱۲۴۹ھ (۲؍جولائی ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے) مولانا

محمد یعقوب بھی اسی کاروان علم وعمل کا ایک دمکتا ہوا ستارہ تھے، جو اپنے فخر اقران والد کے شاگرد، ممتاز عالم، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ ان کی صحبت سے فیض یافتہ اصحاب، نوید صبح اور خوشبو کی طرح پورے ملک میں پھیل گئے، اور اس برصغیر میں جگہ جگہ درس کے حلقے، مدرسے اور علم وافادہ کے مرکز قائم کر لئے جن میں سے اب تک بھی زندہ اور سرگرم کار ہیں۔

## ولادت اور تعلیم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، اسی خاندان اور ماحول میں (غالباً شوال ۱۲۴۸ھ/ مارچ ۱۸۳۳ء) پیدا ہوئے، جب اس خاندان میں بڑے بڑے علماء موجود تھے اور ہر طرف علم اور تعلیم کا چرچا رہتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نے فارسی وعربی کی ابتدائی درسی کتابیں، مولانا مہتاب علی دیوبندی (وفات: ۱۱۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء) اور مولوی محمد نواز سہارنپوری سے پڑھیں۔

محرم ۱۲۶۱ھ (جنوری ۱۸۴۵ء) میں اپنے خاندان کے عالم اور دہلی کالج کے صدر مدرس، مولانا مملوک العلی نانوتوی کی سرپرستی اور نگرانی میں مزید تعلیم کیلئے دہلی پہنچے، دہلی میں کافیہ ابن حاجب سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ مولانا محمد قاسم اپنی فطری لیاقت وصلاحیت کی وجہ سے، تعلیم میں اپنے ہم سبق ساتھیوں اور ہم عمر طلبہ سے بھی آگے رہتے تھے، جب کسی ساتھی یا کسی اور مدرسے کے طالب علم سے بحث وگفتگو ہوتی، تو اکثر اس مقابل (طالب علم) کو مولانا سے بحث ومباحثہ کی سوجھتا، مولانا سے شرمندہ ہونا پڑتا تھا، اسی طرح تیز رفتار مگر اعلیٰ درجہ کی تفہیم وتعلیم اور لیاقت سے تعلیم مکمل کی۔ مولانا کے استادزادے اور عزیز، مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے لکھا ہے:

> پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی۔ معقول کی مشکل کتابیں، زواہد، (میر زاہد کی تصانیف) قاضی (مبارک کی شرح قطبی از میر زاہد) صدرا (صدرالدین شیرازی) اور شمس بازغہ (ملا محمود جون پوری) ایسا پڑھا کرتے تھے، جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ (۳)

عقلی علوم، خصوصاً ہندسہ (Geometry) کو استاذ کے بغیر خود ہی دیکھ کر پڑھ لیا تھا، فقہ، منطق وکلام اور جملہ درسی کتابوں کو مکمل کرنے اور ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی (ولادت: ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۱۹ء وفات: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء) سے حدیث شریف خصوصاً صحاح ستہ پڑھیں۔

## علمی تدریسی زندگی کا آغاز

حضرت مولانا محمد قاسم نے اس وقت کی عملی روایت کے مطابق، پڑھنے کے زمانہ میں ہی ابتدائی کتابیں پڑھانی شروع کردی تھیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اس دور میں علماء کا عام معمول، مطالعہ سے اعلیٰ علمی کتابوں کے متون کی تصحیح، ان پر حاشیے لکھنے، اور ان کی عمدہ طباعت کی نگرانی کرنے کا تھا، حضرت مولانا محمد قاسم بھی درس کی ذمہ داریوں کے ساتھ، اپنے استاذ حدیث، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (صحیح بخاری کے محشی اور ہندوستان کے نامور محدث اور خادم حدیث) کے مطبع احمدی سے وابستہ ہوگئے تھے، اس مطبع میں مولانا نے قیمتی خدمات انجام دیں اور اس کی حیثیت ایک بڑے مرکز علمی اور تحقیقی تصنیفی اکیڈمی کی تھی۔ مشہور ہے کہ حضرت مولانا نے اور علمی کاموں کے علاوہ اپنے استاذ محترم، حضرت مولانا احمد علی کی فرمائش پر، حاشیہ صحیح بخاری کی تکمیل میں بھی کچھ حصہ لیا تھا۔

حضرت مولانا، مولانا احمد علی کے مطبع احمدی کے علاوہ، ہندوستان کے ایک بڑے ناشر کتب، منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع مجتبائی اور پھر مطبع ہاشمی میرٹھ میں تصحیح کتب کی خدمت انجام دی اور اپنی زندگی کے آخری دنوں تک اسی کام میں مشغول رہے۔

## سلوک ومعرفت

ہندوستان کے علماء میں خدا طلبی کا ذوق اور سلوک ومعرفت کی چاشنی حاصل کرنے کا، جو معمول اور اہتمام صدیوں سے چلا آرہا تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نے اپنے اساتذہ اور رفقاء کی طرح، اس پر بھی پورا عمل کیا اور اس کے لئے اپنے زمانہ کے ایک بڑے مرشد، معرفت وسلوک کے امام اور طریقۂ سفر کے کامل رہنما، حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت حاجی صاحب جملہ سلاسل تصوف کے عالی مرتبہ شیخ تھے، حضرت مولانا نے، حضرت حاجی صاحب کی سرپرستی میں تصوف کے سبق لئے اور مرشد کامل کی تعلیمات وہدایات سے روشنی حاصل کرکے، ایسے منور وتابناک بنے کہ شیخ امداد اللہ نے مولانا کو اجازت وخلافت سے نوازا، اور اپنے متوسلین کو مولانا سے استفادہ کی ہدایت کی۔ پیر ومرشد (حضرت حاجی امداد اللہ) کی نگاہ میں حضرت مولانا محمد قاسم کا کیا مقام ومرتبہ تھا، اس کا حضرت حاجی امداد اللہ کی تحریروں اور مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے، حاجی صاحب نے مولانا محمد قاسم کے والد ماجد شیخ اسد علی نانوتوی کو ایک خط میں لکھا تھا، اور

اپنی ایک اہم تصنیف ضیاء القلوب، میں یہاں تک لکھ دیا کہ:

''بخدمت بھائی صاحب مکرم معظم جناب شیخ اسد علی صاحب سلّمہٗ! بعد سلام و نیاز مبارکباد واللہ تعالیٰ آں جناب را توفیق اتباع سنت نبوی ﷺ داد، امید قوی ست کہ ہمیں عمل خیر ومسئلہ نجات جناب شود، عجب نیست، وشکر کنند کہ خدا تعالیٰ شمارا یک ولی کامل عطا فرمودہ، کہ ببرکت انفاس اوایں چنیں اعمال نیک ورضامندی اللہ ورسول بظہور آمد، والاایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دہند'' (۴)

''نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلّمہٗ ومولوی محمد قاسم صاحب سلّمہٗ راکہ جامع جمیع کمالات ظاہری وباطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق، بلکہ بمدارج فوق ازمن شمارند۔ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من، ومن بمقام اوشان شدم، وصحبت اوشان راغنیمت دانند، کہ ایں چنیں کساں دریں زمان نایاب اند، واز خدمت ببرکت ایشاں فیضیاب بودہ باشند'' (۵)

مگر اپنے تمام کمالات سلوک وتصوف میں اختصاص کے باوصف، حضرت مولانا نے خود کو چھپانے کی ہمیشہ اور آخری حد تک کوشش کی۔ حضرت مولانا نہیں چاہتے تھے کہ مولانا کے فضل وکمال اور روحانی نسبت وپرواز کا کسی کو پتہ چلے اور لوگ ان سے رجوع کریں۔ حضرت مولانا پر تواضع اور خودشکنی کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کو بیعت کرنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے، چند علماء اور اہل کمال بصد اصرار بیعت ہوئے اور انھوں نے حضرت مولانا سے امکان بھر استفادہ بھی کیا، بالآخر ایک وقت آیا کہ یہ متوسلین اس لائق ہوگئے، کہ ان کو حصول نسبت کی بشارت دی جائے اور اجازت وخلافت سے نوازا جائے، مگر حضرت مولانا اس مرحلہ پر بھی اپنی ذات کو پیچھے رکھنا اور ان متوسلین اور سالکان راہ طریقت کا ہاتھ، اپنے شیخ ومرشد، حضرت حاجی امداد اللہ کے ہاتھ میں ہی دیدینا چاہتے تھے اور چاہتے تھے، کہ میں خود کسی کو اجازت وخلافت نہ دوں، جس کے لئے بھی اس نعمت ودولت کا فیصلہ ہو، وہ حضرت پیرومرشد کی زبان سے ہو۔ اس لئے حضرت مولانا کے جس متوسل کی سیر سلوک مکمل ہوجاتی، اس کو ہدایت فرماتے کہ، وہ مکہ مکرمہ حاضر ہوکر، حضرت حاجی امداد اللہ کی خدمت میں اپنی کیفیت عرض کرے اور خود حضرت کو لکھ دیتے تھے، کہ میں ان صاحب کو اس لائق سمجھتا ہوں، مگر فیصلہ آنجناب کی صواب دید اور رائے عالی پر ہے، اگر اطمینان ہو تو ان کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے تقریباً تمام خلفائے کرام اسی

طرح کے ہیں، کہ اگرچہ ان کی تربیت واصلاح باطن حضرت مولانا کے زیردامن ہوئی، مگران کو خلافت اوراجازت وبیعت کا پروانہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے ملا۔

## انگریزوں کے خلاف برپا جدوجہد ۱۸۵۷ء میں شرکت

ابھی مولانا کو تعلیم سے فارغ ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا، کہ ہندوستان پر مسلط انگریزی حکومت واقتدار کے خلاف وہ جذبہ، جو تقریباً پچاس برس سے عوام خواص کے دلوں میں پرورش پارہا تھا، یکلخت شعلۂ جوالہ بن کر پھوٹ پڑا، اور پورے ملک میں ۱۸۵۷ء /۱۲۷۲ھ میں انگریزوں کی حکومت اور سیاست واقتدار کو اکھاڑ پھینکنے کے خلاف، ایک پرزور جدوجہد شروع ہوگئی۔ اس موقع پر علماء اوراہل باطن کے لئے دین وشریعت کی ذمہ داری، مسلمانوں کی عام دینی ملی ضرورت اور وقت کے تقاضہ سے غفلت، ناممکن تھی، اس لئے اس ضمن میں ایک بڑی اور منظّم آواز، حضرت مولانا کے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ کے وطن تھانہ بھون (ضلع مظفرنگر) سے بھی اٹھی جس میں حضرت حاجی امداداللہ قائدانہ شریک تھے اور حضرت حاجی صاحب کے علاوہ، حضرت کے خاص خلفائے کرام اور متوسلین بھی اس کے دست وبازو بنے ہوئے تھے۔

یہ تحریک پوری منصوبہ بندی اور مستقبل کے مقاصد کو سامنے رکھ کر، بلند حوصلہ کے ساتھ برپا کی گئی تھی۔ اس تحریک کا اثر دہلی سے ملحق دریائے جمنا کے کنارہ سے بڑھتا ہوا، ہمالیہ کے دامن تک پہنچا، اور دہلی کے شمال مشرق کا تقریباً ساڑھے تین سو چار سو کلومیٹر علاقہ اس جدوجہد کا میدان بنا، جس میں ان مجاہدین نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور بہت اہم کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

یہ تحریک جو پوری طاقت اور بڑے تدبر سے چلائی اور آگے بڑھائی گئی تھی، اور کیونکہ عوام علماء کی آواز پر لبیک کہتے تھے، اس لئے ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا، اور اس کے زیر اثر مجاہدین کا انگریز افسران اور فوجوں سے ایسا پر پیچ اور کامیاب مقابلہ ہوا، جس کی بعد میں خود دشمن افسران نے داد دی۔ اس فوج یا کمان کے ذمہ دار کمانڈروں میں حضرت مولانا محمد قاسم بھی شامل تھے، ان حضرات نے تھانہ بھون کے قریب ایک انگریزی فوج کے ایک نسبتاً چھوٹے کیمپ اور خزانہ کو اپنا نشانہ بنایا، وہاں کامیاب حملہ کیا، انگریز دستہ کو شکست ہوئی، اور اس پورے علاقہ پر انگریزوں کا قبضہ اور اقتدار ختم کرکے مجاہدین کا پرچم لہرادیا گیا، انگریز فوج کے سو سے زیادہ سپاہی اور افسر مارے گئے، ان کے اسلحہ خانہ اور خزانہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور میدان جنگ کے ساتھ

ہی یہ پورا علاقہ مجاہدین کے انتظام میں آ گیا تھا۔ اس جنگ میں حضرت حاجی امداد اللہ کے ایک بڑے خلیفہ حافظ محمد ضامن تھانوی اور مسلمانوں کی ایک جماعت شہید ہوئی، مگر کچھ دنوں کے بعد انگریزوں نے تازہ دم فوج اور بڑی تیاری سے دوسرا حملہ کیا، جس میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا، یہاں تک کہ وہ تھانہ بھون کو بھی جو ان کا مرکز تھا، چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اس تمام معرکہ آرائی میں شروع سے آخر تک حضرت مولانا محمد قاسم بھی برابر شریک رہے، جنگ کے دوران، حضرت مولانا کی ناک پر گولی لگی تھی، آخر عمر تک اس کا نشان موجود تھا۔

۱۸۵۷ء کی یہ جدوجہد اور تحریک ایک بڑی، انقلابی اور نہایت دوررس تحریک تھی، جس نے اس وقت کے ہندوستان کے مزاج، خصوصاً ہندی ملت اسلامیہ کو، اس شدت، قوت اور گہرائی سے متاثر کیا، کہ اب تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ ہندو پاکستان و بنگلہ دیش کی ہر ایک دینی علمی سیاسی جدوجہد میں خصوصاً مسلمان اور دینی طبقہ ۱۸۵۷ء کی تحریک اور اس کے رہنماؤں کے طریقۂ کار تعلیمات اور اصولوں سے روشنی لے کر چلتے اور آگے بڑھتے ہیں اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک، اور اس کے بعد سے آج تک مسلم سیاست اسی محور پر رقص کرتی رہی ہے۔

## دارالعلوم اور مدارس اسلامیہ کا قیام اور ہندی ملت اسلامیہ کے دینی علمی مستقبل کی تعمیر و تشکیل

۱۸۵۷ء کی تحریک ہوئی پسپا ہونے کے نتیجہ میں، انگریزوں کا دوبارہ تسلط قائم ہو گیا تھا، جو ان کی پہلی حکومت سے بہت زیادہ جابرانہ قاہرانہ تھا۔ اس کا ایک بہت برا اثر یہ ہوا تھا کہ اس تحریک میں شرکت کی سزا اور الزام میں لاکھوں علماء اور اہل کمال پھانسیوں پر لٹکائے گئے، ہزاروں جلاوطن ہوئے، بے شمار لوگوں کو مختلف سزائیں دی گئیں اور ہزاروں حالات کی سختیوں سے مجبور ہو کر، ہندوستان سے حرمین شریفین ہجرت کر گئے تھے، جس کی وجہ سے اکثر خانقاہیں برباد، مسجدیں ویران اور مدرسے بے نام ونشان ہو گئے تھے، حالات ایسے سخت اور ناقابل بیان تھے کہ کہنا مشکل ہے، نہ کسی کو زبان کھولنے کی اجازت تھی، نہ آہ وفغاں کرنے کی۔ چوں کہ علمائے کرام اور دینی طبقہ نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف معرکہ آرائی میں بڑا اور سرگرم حصہ لیا تھا، اس لئے اس تحریک کے ناکام ہونے کے بعد، انگریزوں کے مظالم اور سزاؤں کا نشانہ بھی یہی بنے، لیکن حالات کی پکڑ کیسی ہی سخت کیوں نہ ہو، ملت کو بہرصورت اپنا راستہ خود متعین کرنا اور چلنے کے لئے ایک طریقہ اور شاہراہ عمل مقرر کرنی ضروری تھی۔ علمائے کرام سوچتے تھے کہ ملت ایک ایسے حادثہ کا شکار ہوئی

ہے کہ اگر فوراً اس کا بڑا، دیرپا مضبوط علاج اور مستقبل کی اکثر ضرورتوں میں، رہنمائی کرنے والی تدبیر اور طریقۂ کار وضع نہ کیا گیا، تو اس ملک بلکہ پورے برصغیر میں، مسلمانوں کا اور دینی اقدار ومعاملات کا باقی رہنا مشکل ہوجائے گا، ان مشکل حالات میں جب کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقائے کرام نے، اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے، ملت ہندیہ کے لئے ایک ایسا نسخہ صحت تجویز کیا، جس نے زخم خوردہ بلکہ نیم جاں ملت اسلامیہ کو بڑی حد تک شفا بخشی اور اس کے زخموں سے چور چور جسم میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔

یہ کام دیوبند میں ایک ایسے بڑے کثیر المقاصد اور خود کفالت پر مبنی مدرسہ [دارالعلوم] کا آغاز تھا، جس نے اس ملک میں رہنے بسنے والے تمام مسلمانوں میں امید کی ایک شمع روشن کردی تھی، عام مسلمانوں نے دیوبند سے اٹھنے والی اس آواز، اس تحریک، اس جدوجہد کی بھرپور آبیاری کی اور حضرت مولانا محمد قاسم اور ان کے عالی مرتبت رفقاء کے منصوبوں کو، پورے حوصلہ، جذبہ اور اخلاص ودردمندی کے ساتھ آگے بڑھایا، اور پروان چڑھایا، یہاں تک کہ وہ ایسا گھنا اور بافیض سایہ بن گیا، کہ اب ہندوپاکستان کے مسلمان ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا میں امت مسلمہ کا ایک حصہ، اسی کے زیر سایہ، اتباع شریعت وسنت، تعلیم قرآن وحدیث اور پیروی دین، کا سفر طے کررہا ہے، اور یہ بات بلا تکلف کہی جاسکتی ہے، کہ عصر حاضر میں کم سے کم ہندوپاکستان اور بنگلہ دیش میں کوئی بڑا دینی علمی ادارہ اور فکر صحیح اور عمل قرآن وسنت کا مرکز ایسا نہیں ہے، جس کا رشتہ دارالعلوم سے جڑا ہوا نہ ہو۔

اس مدرسہ اور دارالعلوم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، دینی خدمت اور ایسے افراد وعلماء تیار کرنا تھا، جو آگے چل کر ملت کی زمام سنبھالیں اور ہندوستان کے سیاسی حالات میں اس کی ڈوبتی کشتی کو طوفان سے سلامت نکال کر، دریا کے کنارہ پر لانے کی جدوجہد کے لئے، اپنی زندگی اور دوسرے تمام مقاصد فنا کردیں، اور قال اللہ وقال الرسول ﷺ کا بھولا ہوا سبق، پوری ملت اسلامیہ کے کانوں اور دل میں پوری طرح اتار دیں۔

اس مدرسہ دیوبند [دارالعلوم] کا ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ [پنجشنبہ ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء] کو بے سروسامانی کی حالت میں آغاز ہوا تھا، افتتاح کے وقت اس میں صرف ایک استاذ تھے اور ان کے سامنے بیٹھنے والے دو تین طالب علم تھے، مدرسہ کی کوئی عمارت تھی نہ کچھ اور سامان، دیوبند کی ایک کئی سو سال پرانی مسجد [چھتہ] کے صحن میں موجود، انار کے ایک درخت کے نیچے اس کی ابتداء ہوئی تھی (۶)، مگر حق تعالیٰ شانہ کو اس مکتب ومدرسہ کے بانیوں کا اخلاص، ان کی حسن نیت اور سادگی

کا عمل کچھ ایسا پسند آیا کہ یہی چھوٹا سا مکتب اور مدرسہ آگے بڑھ کر، ایک بڑا دارالعلوم، ایک ممتاز عالمی درس گاہ، ایک بہت بڑی، بہت کثیر المقاصد، بہت ہمہ جہت اور بہت دوراندیش تحریک ثابت ہوئی، اس مدرسہ کے قیام نے برصغیر (ہندوپاکستان، بنگلہ دیش) کے دینی ماحول میں امیدوں کے چراغ روشن کردیئے، اور پوری ملت اسلامیہ کو ایک واضح طریقہ عمل اور ایسی شاہراہ مستقیم عنایت کردی کہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی باشعور اور دیندار اکثریت، اس کے سایہ میں سفر کررہی ہے۔ دیوبند کے مدرسے کے قیام اور دینی تعلیم جاری ہونے اور اس کے باقاعدہ عمدہ انتظام کی، اس قدر پذیرائی، تحسین اور پرجوش تعاون ہوا کہ مدرسہ دیوبند کے بلند مرتبہ رہنماؤں میں سب سے ممتاز شخصیت، حضرت مولانا محمد قاسم نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے، مختلف مقامات پر اسی قسم کے پانچ مدرسے اور قائم کئے، ان سے بھی اس طرح علم اور دین پر عمل کا چرچا شروع ہوا، اور ان میں ہر ایک مدرسہ نے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد، طریقہ تعلیم اور دینی عقیدہ ونظریات کو اپنا رہنما قرار دیا اور پھر یہ مدرسے بھی بڑھتے بڑھتے گھنے درخت بن گئے، اور اب ان مدرسوں کے تعلیم وتربیت یافتہ لاکھوں افراد، خصوصاً ہندوستان اور عموماً دنیا کے گوشہ گوشہ میں، دینی اصلاحی، تبلیغی، ملی خدمات، پورے اطمینان اور توجہ سے انجام دے رہے ہیں۔

## دارالعلوم صرف ایک مدرسہ نہیں علمی عملی تحریک بھی تھی

دارالعلوم دیوبند، جس کی ابتداء مسلمانوں کو دین وشریعت سے جوڑنے اور علوم نبوی کے احیاء کے لئے ہوئی تھی، بعد میں ایک بڑی، بہت بافیض، بہت طاقتور اور کثیر الجہت تحریک بن گئی تھی۔ جس نے اس برصغیر میں مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا، دینی فکر ومزاج، اتباع شریعت وسنت، علوم اسلامیہ کی خدمت وآبیاری، وعظ وارشاد، اصلاح وتربیت، تذکیر وتصنیف، حکومت وسیاست، اختلاف نظریات وعقائد، کلام ومعقولات، یعنی برصغیر کی ملت اسلامیہ کی عمومی زندگی اور شعور کا، کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تحریک نے متاثر نہ کیا ہو، اور آج جب دارالعلوم کو قائم ہوئے تقریباً ڈیڑھ سو سال ہو چکے ہیں، دارالعلوم کی آواز، اس کا پیغام اور اس کے نظریات وتعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکے ہیں، دنیا کا شاید کوئی ملک اور خطہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند سے استفادہ کرنے والے، وہاں کے فارغ طلباء، علماء اور دارالعلوم سے وابستہ ارباب وفضل وکمال نہ پہنچے ہوں اور اس خطہ کی دینی، علمی اصلاحی فضاؤں پر

اپنے گہرے نقوش نہ ثبت کئے ہوں۔

دارالعلوم اب ایک ادارہ نہیں ایک عالم گیر دعوت ہے، ایک تحریک ہے، ایک جدوجہد ہے، ایک نصب العین ہے، جس کے ساتھ مقاصد و مستقبل کی تعمیر کا، ایک بامعنی خوب تجربہ کیا ہوا اور ایسا طریقۂ عمل ہے کہ اس کی ایسی جامع، مؤثر، دیرپا اور عالم گیر، اثر انداز مثال تلاش کر لینا آسان نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم کی اس آفاقیت، ہمہ گیریت، مقاصد کے تنوع اور بلند نگہی اور تاثیر و نفع میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا بہت بڑا اور خاص حصہ ہے۔ اگر مدرسہ دیوبند کو اوّل دن سے حضرت مولانا کی سرپرستی اور رفاقت حاصل نہ ہوتی، تو ممکن تھا کہ یہ بہت اچھا مدرسہ بن جاتا، مگر اس کا ملت اسلامیہ کا حصن حصین اور ہر طرح کے مصائب و مسائل میں ملت کی پناہ گاہ اور امیدوں کا مرکز بننا مشکل تھا۔

## دیگر دینی خدمات

حضرت مولانا محمد قاسم دینی ملی معاملات میں اعلیٰ درجہ کے صاحب فکر، حساس اور دردمند عالم تھے، حضرت مولانا کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا، کہ کوئی اہم دینی ملی معاملہ سامنے آئے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں، درس و تعلیم کی مسند ہو، خانقاہ وارشاد کی تعلیمات ہوں، وعظ و اصلاح کا میدان ہو، تصنیف و تالیف کی جلوہ فرمائی ہو، مناظرہ و مباحثہ کی ضرورت ہو، یا دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کے اسلام و شریعت پر سوالات و اعتراضات کا جواب، حضرت مولانا ہر ایک میں نمایاں اور پیش پیش رہتے تھے، جہاں جس طرح کی ضرورت ہو اس کا بروقت احساس اور اس کا ویسا ہی علاج اور دفاع فرماتے تھے، جیسی ضرورت و تقاضہ ہو۔ مسلمانوں کے وہ طبقات ہوں جو عقائد و کلام کے معاملات میں راہ سے بے راہ ہو گئے تھے، یا بدعات و رسوم کے خوگر افراد ہوں، اہل تشیع یا کوئی اور! دینی معاملہ، عقیدہ سلف و اہل سنت سے انحراف کی بات ہو، یا دین و شریعت کے مسائل و مباحث اور عقائد کے کلام کی گفتگو ان کو قرآن و سنت سے حل کرنے، اور ان کی عقلی توجیہ کی ضرورت، حضرت مولانا کا ہر ایک میں سرگرم اور بڑا حصہ رہتا تھا۔

اس دور میں خصوصاً عیسائیوں اور ہندوؤں کی ایک نوزائیدہ جماعت آریہ سماج نے خصوصاً اسلام کے خلاف ایک پرزور محاذ کھولا ہوا تھا، ان کے پادری اور پنڈت جگہ جگہ عیسائیت اور ہندو مذہب کی منادی کرتے، مسلمان علماء کو مناظرہ کا چیلنج دیتے اور عیسائیت و اسلام کے مسائل

وموضوعات پر بحث وگفتگو کے لئے چھیڑتے تھے۔حضرت مولانا ان کا مقابلہ کرنے، جواب دینے اوران کے اعتراضات کی حقیقت واضح کرنے کے لئے، ہمیشہ تیار رہتے تھے، جہاں علی الاعلان بحث ومقابلہ کی بات ہوتی وہاں اس کا اہتمام کرتے، جہاں لکھنے اور گلی کوچوں میں اطلاعات کا کام ہوتا، وہاں اس کا انتظام فرماتے تھے۔

حضرت مولانا کے عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں سے، کئی نہایت کامیاب مناظرے بھی ہوئے، جس میں عیسائیوں سے مباحثہ شاہجہاں پور اور مشہور ہندو سماجی مصلح اور مذہبی پیشوا، سوامی دیانند سرسوتی سے گفتگو اور جوابات کی ملک بھر میں شہرت ہوئی، بعد میں حضرت مولانا نے ان مباحث میں پیش آئے، سوالات پر کتابی صورت میں لکھا، ان میں سے ہر ایک تصنیف اپنی جگہ جوے رواں اور علم وبصیرت کا شاہکار ہے۔

حضرت مولانا نے اپنی کتابوں میں قرآن مجید، حدیث، سنت وشریعت کی جو گرہ کشائی فرمائی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت کا ایک منفرد حصہ ہے۔خصوصاً شریعت اور عقائد واعمال کی حکمتوں اور اسرار وحکم پر حضرت مولانا کے افادات وتحریرات، ایک نئے اور مستقل علم کلام کی حیثیت رکھتے ہیں، ضرورت ہے کہ ان سب کا جامع مطالعہ کرکے، ایک لڑی میں پروکر، امت کے سامنے پیش کیا جائے۔اس سے نہ صرف ہمارے عقلی کلامی ذخیرہ میں ایک وقیع اضافہ ہوگا، بلکہ اس کی اساس پر اور بھی کئی مشکل مباحث ومسائل حل کئے جاسکیں گے۔ (بقیہ آئندہ)

❁ ❁ ❁

## حواشی:

(۱) مفصل حالات کیلئے دیکھئے: استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ: تالیف نورالحسن راشد کاندھلوی ص:۶۵ [کاندھلہ انڈیا ۲۰۰۹ء]۔

(۲) مولانا کے مفصل حالات کیلئے دیکھئے تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ۔تالیف نورالحسن راشد کاندھلوی [کاندھلہ انڈیا ۱۴۲۸ھ]

(۳) حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم: تالیف مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔بحواشی نورالحسن راشد کاندھلوی ص:۱۸۰-۱۷۹ [مشمولہ: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، احوال وآثار وباقیات متعلقات] (کاندھلہ: ۲۰۰۰ء)

(۴) مرقومات امدادیہ، مکتوب اٹھارواں ص:۴۹-۴۸ جامع مکتوبات، مولانا وحیدالدین رامپوری۔ ترتیب جدید: نثار احمد فاروقی [مکتبہ برہان، دہلی ۱۹۷۹ء]

(۵) ضیاء القلوب، مشمولہ کلیات امدادیہ ص:۶۰ (فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۴ھ)

(۶) دارالعلوم دیوبند کی تاریخ اردو، عربی اور انگریزی میں بارہ تیرہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔تفصیلات ان میں درج ہیں۔

# قربانی کے سلسلے میں امت کا تعامل
## حقائق، مسلّمات اور غلط فہمیاں
(۲)

از: مفتی رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت، گجرات

### (۶) تعدد وتکرار کی بحث

راقم کا مقالہ تحقیق الکلام فی بیان السبب لوجوب الاحکام سے تعدد وتکرار وجوب کی بحث یہاں نقل کی جاتی ہے۔

احناف کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے ان الامر لا یقتضی التکرار ولا یحتمله کہ امر بالذات نہ مقتضی تکرار ہے اور نہ محتمل تکرار۔ دوسری طرف خطاب الٰہی جس پر صیغۂ امر دال ہے وہ موجود علی الدوام ہے اور بندوں کے احساس سے غائب وپوشیدہ ہے پس ضروری ہوا کہ عبادت بدنی ومالی کی ادائیگی کو کسی ایسے امر کے ساتھ مربوط کیا جائے جس میں تکرار پایا جاتا ہو تاکہ اس کے تکرار سے یہ سمجھا جائے کہ خطاب الٰہی گویا از سر نو بندوں کی طرف متوجہ ہورہا ہے۔

وما تکرر من العبادات فباسبابها لا بالاوامر. جواب سوال یرد علینا: وهو ان الامر اذا لم یقتض التکرار ولم یحتمله فبأی وجهٍ تتکرر العبادات مثل الصلاة والصیام وغیر ذلك، فیقول ان ما تکرر من العبادات لیس بالاوامر بل بالاسباب لان تکرار السبب یدل علی تکرار المسبب (نورالانوار:۳۵).

قوله لیس بالاوامر والا لاستغرقت العبادات الاوقات کلها لدوام الامر (حاشیه)

چنانچہ شارعِ حکیم کے کلامِ اضافی سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ مجتہدین نے ملک نصاب کو وجوب زکوٰۃ کیلئے اور رأس موصوف بالولایۃ والمؤنۃ کو وجوبِ صدقہ کیلئے سبب قرار دیا؛ کیونکہ ملکیت میں باعتبار نصاب کے اور مؤنت وولایت میں باعتبار رأس کے تعدد وتکرار پایا جاتا ہے اور جب ''ملک نصاب'' اور ''رأس یمونہ ویلی علیہ'' کو سبب قرار دیدیا تو وقت وجوبِ ادا، کو شرط

کہا گیا (اگر چہ وقت کے تکرار سے حکم میں تکرار بھی مسلّم ہے مگر دو چیزوں کا ایک نام تجویز کرنا غیر مناسب معلوم ہوا) اور نماز، روزہ اور قربانی میں اوقات وایام مخصوصہ کو سبب قرار دیا کہ وقت میں تکرار کا ہونا مشاہد ویقینی ہے۔

اور حج زندگی میں فقط ایک مرتبہ ہے اس لئے حج کی اضافت بیت اللہ کی طرف کی گئی جو غیر متکرر ہے اور استطاعت (قدرت علی الزاد والراحلہ) کو باوجود یکہ وجوب حج اس پر موقوف ہے یعنی نفس وجوب کی شرط ہے اور وجوب ہی چونکہ مفضی الی الاداء ہوتا ہے اس اعتبار سے استطاعت کو سبب کہا جاسکتا ہے مگر چونکہ اس میں تکرار کا بھی تحقق ہوتا ہے اس لئے سبب (بالمعنی الاصطلاحی) قرار نہیں دیا گیا۔

وفی الذخیرة: وقد رتب اللّٰہ سبحانه وتعالٰی وجوب الحج علی الاستطاعة وترتیب الحکم علی الوصف یشعر بسببیّة ذلك الوصف لذلك الحکم، کقولنا: زنی فرجم، وسها فسجد، وسرق فقطع، فتکون الاستطاعة سببا لوجوبه. (حاشیه چلپی علی التبیین: ۲/۲۳۶) والمال لیس بسبب فیه ولکنه معتبر لیتیسر به الوصول الی مواضع اداء ارکانه (مبسوط، کتاب الحج)

غرض جس شئی کو سبب قرار دیا جارہا ہے اس میں تعدد وتکرار کا خاص معنی ملحوظ ہے اسی وجہ سے واجبات کی نسبت اسباب کی طرف ہوا کرتی ہے فالواجبات تضاف الی اسبابها (مبسوط: ۲/٤) قطع نظر اس سے کہ وہ سبب فی معنی العلۃ ہے یا سبب فی معنی الشرط۔

اب فقہاء کا کلام ملاحظہ فرمائیے:

(۱) اعلم ان الصلاة فرضت لاوقاتها، قال اللّٰہ تعالٰی: اقم الصلوٰة لدلوك الشمس ولهذا تکرر وجوبها بتکرار الوقت وتودّی فی مواقیتها (مبسوط: ۱/۱٤۱).

(۲) وسبب الاوّل الشهر ولهذا یضاف الیه ویتکرر بتکرره (هدایه: ۱/۲۱۱ کتاب الصوم)

(۳) فشهود جزء منه سبب لکله ثم کل یوم سبب وجوب ادائه، غایة الامر انه تکرر سبب وجوب صوم الیوم باعتبار خصوصه کما فی الفتح (شامی: ۳/۳۳۳)

(٤) ولان سببه البیت وانه لا یتعدد فلا یتکرر الوجوب (هدایه: ۲۳۲)

(٥) وقد علم ان السبب اذا لم یتکرر لا یتکرر المسبب وانما کان سببه البیت لاضافته، الیه یقال حج البیت، والاضافة دلیل السببیة (بنایه: ٤/٦)

(٦) وسبب وجوب الحج ما اشار اليه اللّٰه تعالى فى قوله وللّٰه على الناس حج البيت فالواجبات تضاف الى اسبابها ولهذا لا يجب فى العمر الا مرة واحدة لان سببه وهو البيت غير متكرر، والاصل فيه حديث الاقرع بن حابسؓ... والوقت فيه شرط الاداء وليس بسبب ولهذا لايتكرر بتكرر الوقت (مبسوط:٢/٤)

(٧) الاضافة اى اضافة الصدقة الى الفطر باعتبار انه وقته اى وقت الوجوب فكانت اضافته مجازية وهذا يتعدد بتعدد الرأس مع اتحاد اليوم اى لاجل تعدد الصدقة بتعدد الرأس ان لم يتعدد الفطر فعلم ان الرأس هو السبب فى اليوم (بنايه: ٥٧٢/٣)

(٨)... ولانه يتضاعف بتضاعف الرؤس فعلم ان السبب هو الرأس وانما يعمل فى وقت مخصوص وهو وقت الفطر ولهذا يضاف اليه فيقال صدقة الفطر والاضافة فى الاصل وان كان الى السبب فقد يضاف الى الشرط مجازا فان الاضافة تحتمل الاستعارة فاما التضاعف بتضاعف الرؤس لايحتمل الاستعمارة (مبسوط:٢/١٠١)

(٩) النصاب انما يكون سببا باعتبار صفة النماء فان الواجب جزء من فضل المال قال الله تعالى: يسئلونك ماذا ينفقون فل العفو اى الفضل، فصار السبب النصاب النامى ولهذا يضاف الى النصاب والى السائمة يقال زكاة السائمة وزكوٰة التجارة والدليل عليه ان الواجب يتضاعف بتضاعف النصاب فان قيل الزكوٰة تتكرر فى النصاب الواحد بتكرر الحول ثم الحول شرط وليس بسبب الخ (دیکھئے مبسوط:۲/۱۵۰)

**پس اگر نصاب اور رأس کے بجائے وقت کو سبب قرار دیا جاتا تو تکرارِ وقت سے وجوب ضرور مکرر ہوتا لیکن متعدد وجوب نہ ہوتا۔ اور اگر ایامِ حج سے وجوبِ ادا کا تعلق ہوتا تو ہر سال حج کرنا ضروری ہوجاتا جیسے قربانی۔**

اما حديث الاقرع بن حابسؓ فهو ماروى ابو هريرةؓ ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال ايها الناس قد فرض اللّٰه عليكم الحج فحجوا فقال الاقرع بن حابسؓ أكلّ عام يا رسول اللّٰه فسكت حتى قالها ثلثا فقال لو قلتُ نعم لوجب ولما استطعتم. والمنعى لو قلت "نعم" لتقرر الوجوب كل عام على ما هو المستفاد من الامر قلنا لا بل معناه لصار الوقت سببا لانه عليه الصلاة والسلام كان صاحب الشرع واليه نصب الشرائع (تلويح:٤٢١)

اور جب وقت کو سبب وجوب قرار دیا جاتا تو وجوب ادا مختص بالوقت ہو کر متکرر رہوتا۔

قربانی کے سبب وجوب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف اور بالآخر وقت کی سببیت پر سب کا متفق ہونا سببیت کے خاص معنی کے لحاظ سے ہے، اور اِس معنی کے اعتبار سے وجوبِ اضحیہ کا سبب نہ غنا و یسار ہے اور نہ ہی رأس یمونہ ویلی علیہ ہے۔ ورنہ متعدد قربانی واجب ہوتی جیسے زکوۃ وصدقۃ الفطر، البتہ ایام نحر کی آمد سے وجوب مکرر رہوتا رہتا ہے اس لئے وجوب ادا یعنی وجوب اضحیہ کا سبب وقت کو قرار دیا گیا ہے۔

ان سبب وجوب الاضحية الوقت وهو ايام النحر والغنٰى شرط الوجوب... الا يرى انه لايقال اضحية المال ولا مال الاضحية فلا يكون المال سببا (تكلمة فتح القدير)

ولان سبب الوجوب هناك رأس يمونه ويلى عليه وقد وجد فى الولد الصغير وليس السبب الرأس ههنا الا يرى انه يجب بدونه وكذا لايجب بسبب العبد (بدائع: ٦٥/٥ كتاب الاضحية)

واعلم ان عبارة البعض تفيد ترجيح كون السبب هو الرأس كصاحب الكافى حيث قال وسببها الرأس كما فى صدقة الفطر وقيل: اليوم، وعبارة الدر تفيد عكس ذلك. ومنهم من جزم بان السبب هو اليوم قال للإضافة لقولهم يوم الاضحى ولتكررها بتكرره (فتح المعين على شرح الكنز لملا مسكين: ٣٧٦/٣)

(١٠) ثم ههنا تكرر وجوب الاضحية بتكرر الوقت ظاهر (تكمله فتح القدير: ٥٠٦/٩)

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے وجوب صدقۃ الفطر میں رأس کیلئے سبب کا لفظ استعمال کیا اور قربانی میں مال کیلئے نہیں کیا۔

قلنا سبب وجوب الفطرة رأس اى نفس يمونه اى يتوليه ويكفله فيجب الصدقة على الرأس... ولكن الاضحية على المال فان لم يكن له مال لايجب عليه فافهم (عمدة الرعايه: ٣٨/٤)

لیکن قربانی کے وجوب فی الذمہ کی علت بہرحال غنا و یسار ہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے (كما ستعلم ان شاء الله) اس لحاظ سے اگر کسی فقیہ کے کلام میں بسبب الغنا کا لفظ آیا ہے تو وہ سبب فی معنی العلۃ ہے۔ (دیکھئے: تبیین الحقائق: ۴۷۸/۶)۔

الحاصل وقت کوسبب قرار دینا تکرارِ وجوبِ ادا کیلئے ہے۔

## (۷) تواتر وتعامل کے خلاف دیئے گئے فتاویٰ میں تعارضات

وقت مخصوص کی آمد سے نفس وجوب کے ثبوت کی بنیاد پر دیئے گئے فتاویٰ میں اصولی وفقہی متعدد غلطیوں کے علاوہ جن کی طرف راقم نے اپنے مضمون "تعقب الفريد على تخصيص الوجوب بصبح العيد" میں نشان دہی کی ہے یہاں آپ کو ان فتاویٰ کے درمیان تعارضات دکھائے جاتے ہیں۔توارث وتعامل کے معارض ہونے کے ساتھ فتاویٰ کا آپس میں متعارض ہونا اہل علم خود فیصلہ کریں یہ کس بات کی علامت ہے۔

پہلے ان فتاویٰ کی بنیادی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں پھر تعارضات ملاحظہ فرمائیں گے۔

**(الف) دارالعلوم کراچی کے مفتی عصمت اللہ صاحب کے فتویٰ کی بنیادی عبارت:**

''الجواب'' قربانی کے نفس وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یوم النحر کے طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ہے اور غنیٰ یعنی مالک نصاب ہونا یہ شرط وجوب ہے۔''....

''اگر یوم النحر ہوچکا ہے تو نفس وجوب ہوگیا۔اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں خود قربانی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قربانی شرعاً ادا ہوجائے گی۔''

قال العبد: حاصل یہ کہ نفس وجوب کا سبب پورا وقت ہے اور غنیٰ کو شرط وجوب یعنی صرف وجوب ادا کی شرط مانا گیا، پھر آگے چل کر وقت خاص کے جزء اوّل کو متعین طریقہ پر سبب مانا ''اگر یوم النحر ہوچکا یعنی صبح صادق ہوگئی تو نفس وجوب ہوگیا۔'' بہرحال بارہویں کے غروب کے بعد نفس وجوب نہیں ہے۔

**(ب) مفتی عمر فاروق صاحب لندن کے فتویٰ کی بنیادی عبارت:**

ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مالدار شخص اپنی قربانی وکیل کے معرفت کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ مالدار پر قربانی واجب ہوچکی ہو اور مالدار پر قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے واجب ہوتی ہے۔اب جو مالدار شخص جہاں رہتا ہو وہاں قربانی کا وقت شروع نہ ہوا ہو یعنی وہاں دسویں تاریخ کی صبح صادق نہ ہوئی ہو تو چاہے وکیل جہاں رہتا ہے وہاں دسویں تاریخ کی صبح صادق ہوچکی ہو وکیل کے لئے اپنے مقام پر اصل مالک کی طرف سے اس کی قربانی کرنی صحیح نہیں...

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذمہ قربانی واجب ہونے کے بعد اس کی ادائیگی جائز اور صحیح ہونے کے لئے جس جگہ پر قربانی کا جانور ہو وہاں قربانی کا وقت شروع ہوجانے کے بعد باقی رہنا ضروری ہے چاہے اصل مالک (موکل) کے مقام میں قربانی کا وقت ختم ہوگیا ہو۔

قال العبد: حاصل یہ کہ مالدار پر نفس وجوب یوم النحر کی صبح صادق سے ہوتی ہے یعنی جزء اوّل متعین ہے اور نفس وجوب کے بعد ادا، کے لئے وقت اضحیہ کا رہنا ضروری ہے۔ چاہے من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت نہ ہو۔

**(ج) حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی تائیدی تحریر کی عبارت:**

''نیز احتیاط اس میں ہے کہ جب قربانی کسی ملک میں کی جائے تو جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے ملک میں بھی ایام اضحیہ ختم نہ ہوئے ہوں۔''

قال العبد: گویا صحت اضحیہ کیلئے دونوں جگہ وقت اضحیہ کا رہنا بہتر ہے لیکن اگر من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے وقت ختم ہوگیا اور مکان ذبح اضحیہ میں وقت موجود ہے تب بھی قربانی ادا ہوجائے گی۔

**(د) مفتی شبیر احمد مرادآبادی کے فتویٰ کی بنیادی عبارت:**

الجواب... لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم ہے، پھر شرط ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔ ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔....

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار کرنا اس وقت درست ہے کہ جب مالک اضحیہ کے یہاں شرط یعنی سبب وجوب جو کہ قربانی کے ایام (دسویں ذی الحجہ سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کا درمیانی زمانہ) دونوں جگہ پایا جانا لازم ہے۔....

قال العبد: یعنی من علیہ الاضحیہ (موکل) اور مکان اضحیہ دونوں جگہ وقت نحر کا ہونا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک اضحیہ کے یہاں وقت اگر شروع ہی نہیں ہوا یا وقت ختم ہوگیا تو خواہ مکان اضحیہ میں وقت موجود ہو قربانی کا اعتبار نہیں ہوگا۔

**(ھ) مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودروی کے جواب میں مفتی شبیر صاحب کے خط کا ایک جملہ:**

''نیز مقام اضحیہ کا یوں بھی اعتبار ہوجاتا ہے کہ اگر مالک اور مضحی کے یہاں بارہویں ذی الحجہ ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں تیرہویں ذی الحجہ ہو تو مقام اضحیہ کا اعتبار کرکے قربانی کو صحیح قرار دیا جائے گا اس لئے کہ سبب وجوب دونوں جگہ پایا جاچکا ہے۔

قال العبد: حاصل یہ کہ من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت ہو اور مکان اضحیہ میں وقت چاہے نہ ہو تب بھی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

**(و) حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کے فتوی کی عبارت:**

فقہاء کرام نے قربانی کا سبب وجوب ایام نحر یعنی قربانی کے دنوں کا ہونا بتلایا ہے۔ وسببها الوقت وهو ايام النحر .....اب اگر کوئی شخص جس پر قربانی واجب ہوتی ہے جب تک قربانی کے دن نہیں آئیں گے وہاں تک اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

...جس جانور کو بطور قربانی ذبح کر کے واجب ادا کیا جارہا ہے اس کے لئے بھی شریعت کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ جانور قربانی کے دنوں اور وقت میں ذبح کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا جانور ایسے دن اور وقت میں ذبح کر رہا ہے جو قربانی کے دن نہیں ہیں تو اس طرح ذبح کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔....اس پورے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور ذبح کیا جارہا ہو اس وقت قربانی کا دن اور وقت ہونا ضروری ہے۔ (۲۳/ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ)

## فتاویٰ کی ان عبارتوں کو مدنظر رکھئے اور ملاحظہ فرمایئے

**پہلا تعارض:** ایک طرف یہ لکھا جارہا ہے کہ ایام نحر از اول تا آخر یعنی پورا وقت سبب وجوب ہے اور سبب وجوب سے بقولہم نفس وجوب مراد ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نفس وجوب پورے وقت میں کبھی بھی ہوسکتا ہے۔ جزء اوّل متعین نہیں ہے۔ اور آگے پھر لکھتے ہیں کہ وقت کے جزء اوّل سے وجوب ہو جاتا ہے یعنی نفس وجوب وقت کے جزء اوّل کے آنے کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔

**دوسرا تعارض:** ایک جانب یہ لکھا گیا ہے کہ وقت سے قربانی واجب ہونے کے بعد قربانی کا جانور ذبح کیا جارہا ہو اُس وقت قربانی کا دن اور وقت ہونا ضروری ہے۔ چاہے اصل مالک کے مقام میں قربانی کا وقت ختم ہو گیا ہو۔ گویا دونوں جگہ وقت کا رہنا ضروری نہیں۔ بلکہ صرف مکان اضحیہ میں وقت کا رہنا ضروری ہے۔ دوسری جانب مفتی شبیر صاحب کے فتوی کی یہ عبارت دیکھئے ''کہ دونوں جگہ قربانی کے ایام (دسویں ذی الحجہ سے لے کر بارہویں کے درمیانی زمانہ) پایا جانا لازم ہے۔'' گویا جس طرح من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت نہ ہوا ہو تو قربانی درست نہیں اسی طرح اگر وقت من علیہ الاضحیہ کے یہاں ختم ہو گیا ہو تو بھی مکان اضحیہ میں قربانی درست نہیں ہے۔

**تیسرا تعارض:** ایک طرف تو یہ طے ہے کہ وجوب اضحیہ کے بعد ذبح اضحیہ کی صحت کے لئے وقت اضحیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ان فتاویٰ میں بھی ہے مگر دوسری جانب مفتی شبیر احمد صاحب نے مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی کے استفسار کا جو جواب دیا ہے اس میں ہے کہ من

علیہ الاضحیہ کے یہاں ۱۲ویں ذی الحجہ ہو اور مکان اضحیہ میں ۱۳ (تیرہویں) ذی الحجہ ہو تب بھی قربانی درست ہوجائے گی۔ گویا سبب وجوب کے بعد ذبح اضحیہ کے لئے وقت کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔ مفتی شبیر صاحب کا یہ قول شرع کے خلاف اور جدید موقف کے قائلین کے بھی خلاف ہے حتی کہ خود ان کا فتوی جو ندائے شاہی میں شائع ہوا ہے اس کے بھی خلاف ہو رہا ہے۔

**چوتھا تعارض:** ایک طرف ابتدائے وقت میں من علیہ الاضحیہ کا اعتبار کیا کہ مکانِ اضحیہ میں باوجود وقت ہوجانے کے کہتے ہیں کہ جب تک من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت نہ ہوجائے قربانی درست نہیں ہوگی۔

مگر دیکھئے دوسری طرف انتہائے وقت میں مکان اضحیہ کا اعتبار کررہے ہیں۔ چاہے من علیہ الاضحیہ کے حق میں وقت نہ رہا ہو۔ یہ عجیب بات ہے۔

کیونکہ جب وقت کی آمد سے نفس وجوب کا تحقق مان رہے ہیں تو وقت کے گذر جانے سے قطعاً نفس وجوب بھی زائل ہوجائیگا۔ اس لئے ابتداء میں اگر من علیہ الاضحیہ کا اعتبار کرتے ہیں تو اختتام میں بھی اسی کا اعتبار ضروری ہے اور اگر انتہاء میں مکان اضحیہ کا اعتبار اس لئے کررہے ہیں کہ وقت سے نفس وجوب ہو چکا اور نفس وجوب متحقق ہونے کے بعد باوجود وقت گذرنے کے ختم بھی نہیں ہوا۔ (شاید اسی وجہ سے مفتی شبیر احمد صاحب نے تیرہویں کو قربانی کے جواز کا فتوی دے دیا ہے) تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اگر من علیہ الاضحیہ پر سال گذر گیا اور وہ سال بھر صاحب نصاب رہا جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے تو اب دوسری صبح یوم النحر کی آمد سے نفس وجوب کا تحقق چہ معنی دارد۔ پس یقین کرلیجئے کہ نفس وجوب وقت معین سے نہیں ہے۔

**پانچواں تخالف:** دیکھئے فتوی میں یہ لکھا ہے کہ ''مالدار پر قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے واجب ہوتی ہے'' اور وقت کو شرعاً سبب وجوب قرار دیا گیا ہے مگر اس سے یہ سمجھا جارہا ہے کہ غنی پر طلوع صبح نحر سے پہلے نفس وجوب نہیں ہوتا۔

حالانکہ جب آپ نے مکلّف کو یوم النحر کی آمد سے قبل شرعاً غنی تسلیم کیا (جیسا کہ لفظ غنی اور مالدار صراحتاً مذکور ہے) تو غنا یعنی ملک نصاب کی وجہ سے شرعاً اس شخص کا ذمہ مشغول بالواجب تو ہوگیا کیونکہ غناء ویسار قربانی کے نفس وجوب کی علت ہے جیسا کہ وجوب زکاۃ میں علت ہے (دیکھئے مقالہ "نور السنی لمن یجب علیه الاضحیة بالغنی" دارالعلوم شمارہ شوال وذیقعدہ ۱۴۲۹ھ میں) لہٰذا اصل وجوب تو ثابت ہو چکا اب وقت کی آمد پر جس وجوب کا تحقق ہوگا وہ اصطلاح فقہ میں وجوب ادا، ہے اس لئے یہ عبارت کہ ''مالدار پر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے

قربانی واجب ہوگی۔'' یہ وجوب ادا کی تعبیر ہے۔

پس فتویٰ کا یہ لفظ یعنی غنی دلالت کررہا ہے کہ شرعاً نفس وجوب ہو چکا ہے اور نظریہ اس کے خلاف قائم کیا گیا کہ مالدار پر نفس وجوب وقت سے پہلے نہیں ہوگا یہ دونوں کیسے صحیح ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا وہ تعارض جس کے رفع کی درخواست مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودروی دامت برکاتہم نے اپنے خط میں فرمائی ہے اُس رفع کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ جو فتاوی اصول اور تعامل امت کے مطابق دیئے گئے ہیں اس کو یعنی المعتبر مکان الاضحیہ کے ضابطہ علی الاطلاق کو تسلیم کیا جائے اور جو فتاوی یا تحریر اس کے خلاف واقع ہورہے ہیں اُن سب سے رجوع کیا جائے تاکہ عام مسلمانوں کی تشویش باقی نہ رہے۔

## (۸) اعتبار مکان اضحیہ کا ایک روشن نمونہ

شروع میں کہا گیا ہے کہ امت کا تعامل اصول کی روشنی میں چلا آرہا ہے اس کا ایک بہترین نمونہ بالکل ماضی قریب کا ایک ایسی شخصیت کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے جس کے سامنے اہل بصیرت کے قلوب بھی جھکے ہوئے ہیں اور جس کے گرد علماء ومشائخ کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اس واقعہ میں المعتبر مکان الاضحیہ کا مستحکم عملی ثبوت جدید موقف کے قائلین کے لئے کحل البصر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تاریخ روانگی: ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ ۲۹؍جنوری ۱۹۷۲ء

**از شیخ الحدیثؒ بنام مولانا یوسف متالا (مدظلہ العالی)**

آج ۱۲؍ذی الحجہ کو ظہر کے قریب ڈاک کا انبار پہنچا... ڈاک کے پلندہ میں میرے موجودہ کاتب مولوی حبیب اللہ نے پہلے ہی آپ کا نام لے لیا۔ فوراً خط سنا۔ معلوم ہوا کہ ۱۹؍جنوری کا چلا ہوا آج ۲۹؍کو یعنی ۱۲؍ذی الحجہ کی ظہر کے قریب پہنچا۔ اُس وقت میں تو گھبرا گیا اور مولوی نصیرالدین صاحب نے نہایت اطمینان سے جواب دیدیا کہ اب تو وقت نہیں رہا تاہم انھوں نے میری پریشانی دیکھ کر متعدد دوستوں کو جانوروں کی تلاش میں بھیجوایا۔ میری تو ظہر کے بعد کی نیند اُڑ گئی۔

دو گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ دیہات کے لوگ جو اپنے جانور اِدھر اُدھر سے لاتے ہیں وہ ۱۲؍ذی الحجہ کے دس گیارہ بجے سے واپس ہونا شروع ہوجاتے ہیں اس لئے کہ دیہات والوں کے لئے شہروں میں جانوروں کا رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے اور یہاں کے گھاس وغیرہ کا خرچ بھی زیادہ

ہوجاتا ہے۔

میں نے دوبارہ زور باندھے کہ شیخ انعام اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے وہ عصر کے بعد ایک بھینس خرید کر لائے جو گراں بھی تھی اور لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ پسند بھی نہ تھی مگر چونکہ وقت آخری تھا اس لئے اس کو ذبح فوراً کرایا۔

اللہ کے بندے قربانی کا معاملہ تو ایسا لاابالی کا نہیں تھا۔ جن دوستوں نے میرا یا اپنا حصہ میرے یہاں کرانا چاہا شروع ذی قعدہ سے ان کے خطوط آنا شروع ہوگئے تھے۔ بعض دوستوں کے اصرار پر بہت عمدہ بکرے بھی میں نے ذی قعدہ میں خرید کر ان ہی کے پاس چھوڑ دیئے تھے۔ تقسیم سے پہلے تو میرا یہ معمول تھا کہ شعبان یا رمضان میں بقرات خرید کر سرساوہ، شیخ پورہ، وغیرہ کے احباب ہی کے ذریعہ سے خریدتا تھا اور ان ہی کے یہاں چھوڑ دیتا تھا کہ ۹ رذی الحجہ کو پہنچادیں۔ مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے (اب اس کا معمول) نہیں رہا پھر بھی اخیر ذی قعدہ ورنہ زائد سے زائد شروع ذی الحجہ میں خرید والیتا ہوں کہ اطمینان سے اچھا جانور اچھے نرخ میں مل جاتا ہے۔ تمہارا یہ جانور گراں تو بہت ملا۔ مگر اللہ کا احسان کہ قربانی وقت پر ہوگئی۔ یہ بھی تمہارے اخلاص کی برکت ہے۔ اگر مولوی حبیب اللہ تمہارا نام نہ لیتے تو یہ خط سننے کی نوبت بھی نہ آتی اور بقیہ ڈاک کے ساتھ کل ۱۳ رذی الحجہ کو سنتا۔ صرف تمہارے رفع انتظار کے لئے لکھواتا ہوں کہ قربانی ادا ہوگئی۔ اللہ کا شکر ہے۔

مفتی اسماعیل کچھولوی رمضان کی قضا میں شروع ذی الحجہ سے پہلے سے آئے ہوئے ہیں۔ ان ہی کے متبرک ہاتھوں نے آپ کی قربانی کو ذبح کیا۔ فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث)

بقلم حبیب اللہ چمپارنی شب ۱۳ رذی الحجہ (محبت نامے/ص ۲۵۷/۲)

❁ ❁ ❁

# انکارِ حدیث کیوں؟

(۲)

از: مولانا محمد یوسف لدھیانوی

## (۲) مرتبہ حدیث خود صاحب حدیث کی نظر میں

''حدیث نبوی... حجت ہے یا نہیں؟'' اس نزاع کا جو فیصلہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وہ مختلف عنوانات کے تحت آپ کے سامنے آچکا ہے، آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود صاحب حدیث ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ اور اپنے ارشادات طیبہ کے حجت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی امت کے تمام نزاعی امور کا فیصلہ کرنے کے لئے آخری عدالت ہے۔ آپ ﷺ کے ہر فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہوجانا معیار ایمان ہے، اور قرآن کریم کا حلفیہ بیان ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوں اور اس کے لئے سر تسلیم خم نہ کریں وہ ایمان سے محروم ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء، آیت ٦٥)

ترجمہ: ''سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں، اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے دل میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔''

جب قرآن کریم نے امت کے تمام جھگڑوں کو نمٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو منصف قرار دیا ہے تو لازم ہے کہ آں حضرت ﷺ ہی سے اس کا فیصلہ لے لیا جائے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں آپ ﷺ کی احادیث کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ کے فیصلہ کے بعد کسی قسم کی کٹ حجتی کی ضرورت نہ رہے گی۔ آیات بینات کے بعد اب فیصلہ نبوت سنئے۔

(۱) پوری امت کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص ایمان سے محروم ہے جس کی

خواہشات نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہر چیز سے ہم آہنگ نہیں ہوجاتیں۔

"عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عن النبیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ولا یؤمن أحدُکُم حتّٰی یکونَ ھواہُ تَبَعًا لما جئتُ بِہٖ" (رواہ فی الشرح السنہ وقال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہیں ہوجاتیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔" (مشکوٰۃ:۳۰)

(۲) نبی کریم ﷺ کی سنت کے تارک اور آپ کے اوامر کی اقتداء نہ کرنے والے ناخلف دروغ گو اور غلط کار ہیں اور جو شخص ان کے ساتھ "ہاتھ" زبان یا دل کے ساتھ جہاد نہیں کرتا وہ بھی ذرہ ایمان سے محروم ہے۔

"عن ابنِ مَسعودٍ رَضی اللہ عَنہُ قال قال رسولُ اللّٰہِ ما مِنْ نَبیٍ بَعَثہ اللّٰہُ فِیْ أمتہِ قَبلی إلا کَانَ لَہُ فی أمتہ حَوارِیُونَ وأصحابٍ یأخُذُون بِسُنتِہٖ ویقتدون بأمرِہٖ، ثُمَّ إنَّھا تخلُف مِن بَعْدِھم خُلُوفٌ یقُولُونَ ما لا یَفْعَلُوْنَ ویفعلُونَ ما لا یُؤمَرُونَ فَمَن جَاھَدھُمْ بِیَدہ فَھُو مُؤْمِنٌ ومَن جَاھَدَھم بِلِسانِہٖ فھُو مُؤْمِنٌ ومَن جَاھَدَھم بِقلبِہٖ فَھُو مُؤْمِنٌ ولیس وراء ذٰلِکَ مِن الإیمان حبَّۃُ خردلٍ" (رواہ مسلم)

ترجمہ: "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے بھیجا اس کی امت میں ضرور ایسے خاص لوگ اس کے دین کے مددگار رہا کئے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جن پر عمل نہ کرتے اور ایسے افعال کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا (یہی اس امت میں ہوگا) پس جو شخص ان لوگوں کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اس کے علاوہ ایمان کا ذرہ نہیں۔"
(مشکوٰۃ ص:۲۹ بروایت صحیح مسلم)

(۳) سنت نبویہ (ﷺ) سے اعراض کرنے والوں کا ذات نبوی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔

"عن أنسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (فی حدیثٍ فیہِ قِصۃٌ)

فَمَن رَغِبَ عَن سُنّتِی فَلیس منی" (متفق علیه)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔'' (بخاری ومسلم)

(۴) انکار حدیث کا نعرہ لگانے والے دجال اور کذاب ہیں۔

"عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم: یکونُ فی آخرِ الزمان دجّالُونَ کَذَّابُونَ یأتُونَکُم مِن الأحادیث ما لم یَسمَعُوْا أنتُم ولا آبائکم فإیاکُم لا یضِلّوُنَکُم ولا یفتِنُونَکُم" (رواه مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں ایسے ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہیں ایسی ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے کبھی سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ پس ان سے بچو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کردیں یا فتنہ میں ڈال دیں''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسے نظریات پیش کرتے ہیں جو امت کی گذشتہ صدیوں میں کبھی نہیں سنے گئے وہ دجال وکذاب ہیں انکار حدیث کا نظریہ بھی اسی قسم کا ہے۔

(۵) انکار حدیث کا منشاء شکم سیری، ہوا پرستی اور گندم خوری کے سوا کچھ نہیں۔

"عن المقدام بن معدیکرب رضی الله عنه قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا إنی أُوتیتُ القرآن ومِثلَهُ ألا یوشك رجلٌ شبعان علی أریکته یقول علیکم بِهذا القُرآن فَمَا وَجَدتُم... فیه مِنْ حلالٍ فاحلُوه وما وَجَدتُم فیه منْ حرامٍ فحَرِمُوه وأن ما حَرم رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم کما حرم اللّٰه" الحدیث. (رواه ابوداود، دارمی، ابن ماجه، مشکوٰة ص:۲۹)

ترجمہ: ''مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سن رکھو! مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل بھی، سن رکھو! قریب ہے کہ کوئی پیٹ بھرا تکیہ لگائے ہوئے یہ کہنے لگے کہ لوگوں! تمہیں یہ قرآن کافی ہے بس جو چیز اس میں حلال ملے اسی کو حلال سمجھو! حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام بتلائی ہوئی چیزیں بھی ویسی ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی حرام بتلائی ہوئی۔''

(۶) جب امت میں اختلاف رونما ہوجائے اور ہر فرقہ اپنی تائید قرآن سے ثابت کرنے لگے اس وقت سنت نبوی کو لازم پکڑنا اور قرآنی مطالب کے افہام وتفہیم میں اسوۂ نبوت کو فیصل قرار

دینا ہی اصل منشا، دین ہے۔ایسے نازک وقت میں حدیث نبویؐ سے دست کشی گمراہی کا پہلا زینہ ہے۔اور نئے نظریات اور اعمال کا اختراع کج روی کا سنگ بنیاد ہے۔

”عن العرباض بن سارية رضى الله عنه قال صَلّى بنا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذاتَ يومٍ ثُمَّ أقبَلَ علينَا بوجهِهِ فوَعظَنا مَوْعِظَةً بليغة ذَرَفَتْ مِنها العيون، ووَجلَتْ مِنها القلوب، - فقال رَجُلٌ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كأنّ هذِهِ مَوْعِظَة مُوَدِّع فأوصِنا - فقال أوصِيكُمْ بتقوَى الله والسَمع والطاعَة، وإن كان عبدًا حبشيًا“ (رواه أحمد، وأبوداود والترمذى، مشكوٰة ص:۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔پس ہمیں بہت ہی موثر وعظ فرمایا۔جس سے آنکھیں بہہ پڑیں، اور دل کانپ گئے۔آپؐ سے ایک شخص نے کہا یا رسولؐ اللہ یہ تو ایسا لگتا ہے، جیسے کسی رخصت کرنے والے کی نصیحت ہو۔پس ہمیں وصیت فرمائیے۔فرمایا... کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اپنے حکام کی بات سننا اور ماننا خواہ حاکم حبشی غلام ہو۔“

(۷) حدیث جیسے بدیہی اور اجماعی مسائل میں نزاع اور جدال پیدا کرنے والے ہدایت چھوڑ کر راہ ضلالت اختیار کیے ہوئے ہیں۔

”عن أبى أمامة رضى الله عَنهُ قال قال رسولُ الله ﷺ ما ضل قوم بعد هُدًى كانوا عليه إلا أوتُوا الجدل، ثُمّ قرأ رسولُ الله ﷺ مَا ضَرَبُوه لك إلا جدَلا، بل هُمْ قومٌ خَصِمُوْن“ (رواه أحمد، وأبو داود والترمذى)

ترجمہ: ”حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہادی اعظم ﷺ کا ارشاد ہے۔جب بھی کوئی قوم ہدایت کھوکر گمراہ ہوجاتی ہے۔انہیں جھگڑا دے دیا جاتا ہے (پھر وہ ایسے واضح مسائل میں بھی جھگڑتے ہیں، جن میں نہ کبھی نزاع کی نوبت آئی اور نہ عقل سلیم ایسے امور میں بحثا بحثی کا تصور کرسکتی ہے۔“

(۸) زہر ضلالت کیلئے اسوہ نبوت تریاق اعظم ہے جب تک کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول ﷺ کو دینی سند کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہے گا۔امت گمراہی سے محفوظ رہے گی، لیکن جونہی کتاب وسنت میں تفریق کی جانے لگے گی اور امت کی آوارہ مزاجی کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو باردوش تصور کرنے لگے گی، اس وقت امت قعر ضلالت میں جاگرے گی۔

"عن مالِك بن أنسٍ قال قال النبی ﷺ ترکتُ فیکم أمرین لَنْ تضلّوا ما تَمَسکتُمْ بِهِما، کتابُ اللّٰهِ وَسُنةُ رسُوْلِهٖ" (رواه فی الموطأ)

ترجمہ: "امام مالک نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ۔

(۹) آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی شخص کیلئے بھی یہ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع سے انحراف کرے۔ حتی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔

"عن جابرٍ رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حیًّا مَا وَسِعَه إلا اتباعی" (رواه أحمد، والبیهقی، مشکوٰة ص: ۳۰)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاتم النّبیین ﷺ نے فرمایا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

"وفی روایةٍ: والذی نفسُ محمد ﷺ بیدهٖ لو بدأ لکم موسٰی فاتبعتُمُوه وترکتمونی لضلَلتُم عَنْ سواء السبیل وَلو کان موسٰی حیًّا وأدرکَ نبوتی لاتبعنی" (رواه الدارمی، مشکوٰة ص:۳۲)

ترجمہ: "اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) تمہارے سامنے ظاہر ہوجائیں پس تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم راہ راست سے قطعاً بھٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پالیتے تو بالضرور وہ میری ہی پیروی کرتے۔" (دارمی، مشکوٰة:۳۳)

(۱۰) آنحضرت ﷺ کی حدیث پوری طرح محفوظ کرنے اور امانت نبوت دوسروں تک پہنچانے والے بارگاہ نبوت سے تازہ روئی کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔

"عن ابن مسعودٍ رضی الله عَنه قال قال رسُولُ اللّٰه ﷺ نَضّرَ اللّٰهُ عَبدًا سَمعَ مقالتی فَحَفظها ووعاها فأدّاها" (رواه أحمد، والترمذی وأبوداود وابن ماجه، مشکوٰة ص:۲۹)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھے، جس نے میری حدیث سنی اور

اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا۔ پھر جیسی سنی تھی، ٹھیک ٹھیک ادا کردی۔''

اور امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں ہیں)

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شہادت آپ کے سامنے ہے۔ ان دو شاہدوں کی شہادت کے بعد اہل ایمان کے لئے شک اور تردد کی گنجائش ظاہر ہے کہ باقی نہیں رہ جاتی۔ البتہ جن سے ایمان کی دولت ہی کو سلب کرلیا گیا ہو، کس کے اختیار میں ہے کہ ان کو تشکیک کے روگ سے نجات دلا سکے اور کونسا سامان ہدایت ہے جو ان کیلئے سودمند ہوسکے۔ "فَمَا تغنِ الآیات والنُذر عن قومٍ لا یؤمِنون" (جن کو ایمان نہیں لانا ہے ان کیلئے نہ کوئی آیت سودمند ہوسکتی ہے نہ کوئی ڈرسنانے والے)۔

سلامت طبع کے ساتھ قرآن پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اسی قرآن کا حوالہ دے کر بتلانے والے لوگوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ:

''یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے حتی کہ خود رسول (بغیر صلوٰۃ وسلام) کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلادیا، کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔
(معارف القرآن از پرویز)

مسلمانوں کے ہاتھ جو قرآن ہے اس کی بنیادی تعلیم اوپر معلوم ہوچکی ہے، جس میں بار بار اطاعت رسول (ﷺ) پر زور دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ آخر وہ کونسا قرآن ہے جس کی بنیادی تعلیم اطاعت رسول ﷺ کے منافی ہے اور قرآن کے وہ کونسے واضح اور غیر مبہم الفاظ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ سے اطاعت کا حق سلب کیا گیا ہے۔ قرآن کی جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں ایک دفعہ انہیں پھر سے بار بار پڑھ لیجئے اور ان کے ساتھ مسٹر پرویز کی مندرجہ بالا عبارت کو ملایئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ اس سے بڑھ کر افترا علی اللہ کبھی کیا گیا؟

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نبی کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ قرآن کا نام چرانے والے مفتری اعلان کرتے ہیں کہ

''رسول... کو بھی قطعاً حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔''

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی قرار دیتا ہے اور آپ ﷺ کے حکم سے اعراض کرنے والوں کو منافق قرار دیتا ہے لیکن قرآن کا نام بدنام کرنے والے منافق

لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ۔

''اسے (نبی کو) بھی کوئی حق حاصل نہیں کہ ''کسی سے اپنی اطاعت کرائے''۔ بہرکیف قرآن کی آیات آپ کے سامنے ہیں۔ان کو پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا یہی قرآن رسول اقدس ﷺ سے اطاعت کا حق چھین سکتا ہے؟ جس کی صدہا آیات میں بار بار حلفی تاکیدات کے ساتھ اطاعت رسول ﷺ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔''

دنیا کی جس گمراہی پر غور کروگے، اس کا آخری نقطہ اس قدر کج در کج اور پیچ در پیچ ہوگا جس سے عقل سلیم نفرت کرے گی اور جسے ثابت کرنے کیلئے زمین و آسمان کے ہزاروں قلابے ملائے جائیں گے، تاہم عقل صحیح اسے ہدایت کی ادنیٰ ٹھوکر سے ٹھکرائے گی۔

فتنہ انکار حدیث نے کس قسم کے ہذیانات اور خرافات کو جنم دیا اس کی تفصیل تو شاید کسی دوسری جگہ آئے گی، لیکن ایک خرافاتی معمہ کا تذکرہ یہاں بھی کر ہی دینا چاہئے۔

مطلب یہ کہ ایک طرف آپ ان کج طبع اور خام عقل لوگوں سے سنیں گے کہ وہ صاحب وحی ﷺ سے قرآن کا بیان کردہ ''حق اطاعت'' چھین لیتے ہیں۔لیکن اسی کے ساتھ اطاعت کا یہی حق وہ ''مرکز ملت'' کے نام سے حکومت وقت کو دے ڈالتے ہیں۔ایک طرف یہ چاہا جاتا ہے کہ پوری امت کا رشتۂ اطاعت اس کے نبی ﷺ سے کاٹ دیا جائے۔دوسری طرف ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے کہ ہر سکندر و دارا کو اللہ اور رسول مان کر اس کے سامنے سر نیاز خم کردو۔ایک جانب رسول اللہ ﷺ کو پیغام رسانی کے بعد منصب رسالت سے معزول کردیا جاتا ہے۔دوسری جانب بتلایا جاتا ہے (اور قلم کو تاب نہیں کہ اسے آسانی سے نقل کرنے پر آمادہ ہو) کہ۔

''قرآن حکیم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔'' (معارف القرآن از پرویز)

استغفر اللہ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت و دشمنی کا یہ عالم کہ آنحضرت ﷺ کی ایک بات کا ماننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا، دوسری طرف طاغوت کے ساتھ دوستی کا یہ حال کہ ہر ڈکٹیٹر کو خدائی اور رسالت کا منصب تفویض کیا جاتا ہے، اور اصرار کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں ''اللہ و رسول'' کا لفظ دیکھو اس سے مراد صدر مملکت سمجھو، اور سچے خدا اور سچے رسول ﷺ کو چھوڑ کر ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرو۔اسکندر مرزا ہو یا غلام محمد، ناظم الدین ہو یا ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو صدر ضیاء الحق، جونیجو یا بینظیر، جو بھی کرسی نشین اقتدار ہو، اسی کو اللہ اور رسول سمجھو! اسی کے سامنے ڈنڈوت بجالاؤ۔اور چند ٹکے سیدھے کرنے کے لئے اللہ و رسول سے

اطاعت چھین کر برسر اقتدار قوت کو دے ڈالو۔ ولا حولَ ولا قُوۃ إلا باللّٰہِ ستم یہ کہ اگر ایسا نہ کروگے تو نہ ''اسلام طلوع'' ہوگا، نہ قرآنی ربوبیت منظر عام پر آئے گی بلکہ اسلام عجمی سازش کا شکار رہے گا۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

کیا اس سے زیادہ کجی اور زیغ پن کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرسکتی ہے؟

انکار حدیث کوئی علمی تحریک نہیں۔ یہ جہالت کا پلندہ ہے۔ اس کا اصل منشا صرف یہی ہے کہ اب تک ایک ہی خدا کی عبادت اور ایک رسول ﷺ کی اطاعت کی جاتی تھی۔ لیکن اس نام نہاد ترقی یافتہ دور کے تعلیم یافتہ آزروں کو ہر روز نیا خدا چاہئے، جس کی وہ پوجا کیا کریں، اور ہر بار نیا رسول ہونا چاہئے جو ان کے لئے نظام ربوبیت کی قانون سازی کیا کرے؟ خدا کا غضب ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ ورسول سے مراد ''مرکز ملت'' ہے لیکن ان میں کسی کو بھی اس کے سننے سے قے نہیں آتی۔

کیا کوئی ذی شعور تسلیم کرے گا کہ ''اللہ'' ذات پاک کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد ''مرکز ملت'' ہے اور ''الرسول'' کا لفظ جو قرآن میں بار بار آتا ہے اس سے مراد ''محمد رسول اللہ ﷺ'' نہیں بلکہ اس سے مراد حکمرانوں کی وہ ٹولی ہے جو اپنے پاس سے قانون گھڑ گھڑ کر قرآن کے نام چسپاں کیا کرے؟

﴿فویلٌ لِلذِیْنَ یکْتُبونَ الکِتابَ بأیدیھم ثُم یقُولُونَ ھذا مِن عِند اللّٰہ﴾

اب تک دنیا کے عقلاء یہی بتلاتے رہے کہ اعلام شخصیہ میں شرکت جائز نہیں۔ یعنی زید جس خاص شخص کا نام رکھا گیا ہے لفظ زید جس وقت کان میں پڑے گا تو ذہن صرف اسی شخص کی طرف منتقل ہوگا جس کا یہ نام رکھا گیا لیکن دوسروں کو ''ملائیت اور دقیانوسیت کا طعنہ دینے والے پیران نابالغ آج بتلاتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' یا ''الرسول'' جس ذات خاص کا نام ہے اس سے وہ ذات خاص مراد نہیں بلکہ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد صدر مملکت ہے جسے ہر پانچ سال بعد تبدیل کیا جاسکتا ہے کیا اس منطق کو سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ عقل وفہم کی ضرورت ہے؟

عقل سوخت زحیرت کہ چہ بوالعجبی است

ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچوں کے مفہوم میں یہ تمام کجروی اختیار نہیں کی جاتی۔ لیکن اللہ رسول کے مفہوم میں عقل وفہم کے علی الرغم یہ کجی ''مرکز ملت'' کی تائید کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور ماننے والے پوری ''دانائی'' کے ساتھ اسی کو مانتے چلے جارہے ہیں جن مسکینوں کا اللہ ورسول

ہی صنم اقتدار ہو جس کو مرکز ملت کہتے ہیں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے دین وایمان علم وعقل اور فہم ودانش کا حدود اربعہ کیا ہے؟ نیز بیچارے ''قرآن'' کے ساتھ ان کو کیا علاقہ ہے۔ جس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر چودہ صد سالہ امت کو عجمی سازش کا شکار قرار دیا جاتا ہے۔

''فکر ونظر'' کی کجی سے خدا کی پناہ! اتنی صاف، سادہ اور ستھری حقیقت کو ان فتنہ گروں کا ذہن قبول نہیں کرتا کہ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے نازل کرنے والے کی جانب سے اس کی توضیح وتشریح کا حق بھی عطا کیا گیا ہے۔ ''لتبین للناس ما نزل الیھم'' اور جو لوگ محمد ﷺ کے امتی کہلاتے ہیں ان کیلئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اپنے نبی (ﷺ) کی شرح وبیان کے ساتھ سمجھیں، پڑھیں اور عمل کریں۔ اس لئے قرآن کے ماننے والوں کو لازم ہے کہ قرآن کی وہ علمی اور عملی تشریحات جو قرآن لانے والے کی جانب سے پیش کی گئی ہیں ان کو بھی قبول کریں۔ اور قرآن کی کوئی ایسی شرح ایجاد نہ کریں جو صاحب قرآن کی پیش کردہ تعلیمات سے ٹکرا جائے یہ بات کتنی صاف اور سیدھی ہے لیکن ان کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اور اس کے برعکس بالکل ٹیڑھی، ترش اور کج در کج بات کہ

''قرآن میں جہاں کہیں اللہ ورسول کا نام آیا ہے۔ اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے''۔

اسی کو ان کے کج دماغ اور مبتلائے فتنہ ذہن قبول کئے جا رہے ہیں۔

نعوذ باللّٰہ من فتنة الصدور وسیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون.

ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوٹنے کے لئے کس جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔

(بقیہ آئندہ)

❁ ❁ ❁

# حضرت مولانا غلام رسول خاموش رحمہ اللہ
# کا رگذار مہتمم دارالعلوم دیوبند کے
# مختصر احوال

از: جناب مولانا محمد عثمان صاحب مولیپوری پالن پوری
استاذ حدیث دارالعلوم، چھاپی (گجرات)

میری زندگی یہی ہے کہ ہر ایک کے کام آؤں
میں چراغِ شبِ رہ گذر ہوں مجھے شوق سے جلاؤ

**نام ونسب:** (حضرت مولانا) غلام رسول (صاحب) بن الحاج حبیب اللہ (صاحب) بن الحاج وزیرالدین (صاحب) خاموش رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃ۔

**تاریخ ولادت:** ۹/ جمادی الاخری ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ آپ عالم رنگ وبو میں آئے۔ جائے پیدائش ''میتا''، ضلع بناس کانٹھا شمالی گجرات ہے۔

**تعلیم:** شعور سنبھالتے ہی گجراتی زبان کا ایک درجہ ممبئی شہر میں پڑھا، اور دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن ''میتا'' (Meta) میں حاصل کی، دینیات کی باقی تعلیم ممبئی سینٹرل کے قریب محلّہ لال چمنی میں پوری کی۔ دینیات کی تکمیل کے بعد درس نظامی کی فارسی وعربی تعلیم کے لئے اپنے وطن کے قریب قصبہ چھاپی میں واقع نوخیز مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی میں بہ عمر ۹/ سال فارسی اوّل میں داخلہ لیا، دارالعلوم چھاپی کا قیام اسی سال عمل میں آیا تھا، گویا حضرت مولانا مرحوم کا شمار مدرسہ کے اوّلین طلبہ میں ہوا، اور مشکوٰۃ شریف تک پوری محنت وجانفشانی کے ساتھ اسی دارالعلوم میں حصول علم میں منہمک رہے، آپ رات دیر گئے تک مطالعہ میں مشغول رہتے تھے، علمی شغف اور صلاح وتقویٰ کی بناء پر دور طالب علمی میں اساتذہ کے منظور نظر رہے، بعض اساتذہ شروحات اور دیگر کتابیں لاکر مولانا مرحوم کو دیتے، اور علمی سفر میں مکمل رہبری فرماتے۔

مشکوٰۃ شریف کی تکمیل کے بعد آپ اپنی والدہ کے ساتھ کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے، وہاں اپنے ماموں شریف بھائی چودھری کی تشکیل پر دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، بخاری

وترمذی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ سے پڑھیں، مسلم شریف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوریؒ سے، ابوداؤد حضرت مولانا فضل حق صاحبؒ سے اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرشید صاحبؒ نعمانی صاحب لغات القرآن سے پڑھیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ سیندھنی والے گجراتی بانی ومہتمم مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی، حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ کالیڑوی گجراتی، حضرت مولانا آدم صاحبؒ طالع پوری گجراتی، حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مدظلہ بھاگلپوری (بہار) حضرت مولانا معاذ الاسلام صاحب مدظلہ سنبھلی، حضرت مولانا نعیم الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا انعام اللہ صاحب مدظلہ شاہجہاں پوری، آپ کے اساتذہ ہیں، قراءت کے استاذ حضرت قاری امین صاحب جونپوری اور پارۂ عم کی مشق کے اُستاذ حضرت مولانا غلام رسول صاحب بخاری حیدرپوری ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں ۱۷ رسال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد حصولِ معاش کے لئے ممبئی کے لئے رخت سفر باندھا، جب چھاپی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے اور حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ بانی ومہتمم دارالعلوم چھاپی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ریلوے اسٹیشن پر گئے، اور مولانا مرحوم کے ماموں حاجی عبداللہ صاحب چودھریؒ سے جو ساتھ میں تھے سے درخواست کی کہ اِن کو (مولانا مرحوم) کو یہیں دارالعلوم چھاپی میں پڑھانے دو، ماموں نے جواب دیا میں ان کو پڑھانے کا موقع بھی فراہم کروں گا، چنانچہ ممبئی پہنچ کر ماہانہ ۶۰ روپئے تنخواہ پر ماموں کے یہاں ملازمت شروع کی، ماموں نے وعدہ کے مطابق تدریس کی لائن سے خدمت دین کا موقع فراہم کیا، آپؒ ظہر سے عصر تک مدرسہ دارالعلوم امدادیہ ممبئی میں بلا معاوضہ تدریسی خدمت انجام دینے لگے۔

**والد محترم:** حضرت مولانا مرحوم کے والد محترم نیک صالح، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، قرآن کی تلاوت کے ساتھ خاص شغف تھا، لوگ اُن کے عقیدت مند تھے، اپنے بچوں پر اور پانی پر اُن سے دم کراتے تھے، اُن کا لقب خاموش تھا، مغل قوم کے یہاں ہوٹل میں ملازمت کیا کرتے تھے، پھر باقاعدہ کاروبار میں لگ گئے، پھر کچھ عوارض کی بناء پر شرکت سے علاحدگی اختیار کرلی، اپنے حصہ کی نقد رقم موجود تھی، ممبئی میں تجارت کے اچھے مواقع مہیا تھے، لیکن مرحوم نے حج کا ارادہ کرلیا انھوں نے سوچا کہ حج سے فراغت کے بعد تجارت کی فکر کریں گے، مگر حج کے دوران ہی منیٰ میں غش کھا کر گر گئے، اور مکہ مکرمہ میں ۹ رجون ۱۹۶۰ء بروز جمعرات بوقت تہجد داعیٔ اجل کو لبیک

کہا، اور جنت المعلّٰی میں ہمیشہ کے لئے محوخواب ہوگئے، اور اچھی نفع والی تجارت کر گئے۔

والد صاحب کی اچانک رحلت کی بناء پر چھوٹے بھائی بہن اور بیوہ والدہ کا سارا بوجھ مولانا کے کندھے پر آپڑا، ذمہ دارانہ زندگی کا آغاز ملازمت سے ہوا، سخت حالات سے دوچار ہوئے، حالات میں اُفتاں وخیزاں چائے کی تجارت شروع کی اور اللہ نے خوب برکت دی، بھائی بہنوں کی کفالت کی، اپنے تمام کاروبار میں بھائیوں کو برابر کا شریک رکھا، بھائیوں کی اولاد جب شعور کی عمر کو پہنچی تو اپنے کاروبار اور املاک کو تقسیم کیا، تجارت کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی مضبوط رشتہ قائم رکھا، اپنی اولاد کے ساتھ بھائیوں اور اُن کی اولاد کو بھی دینی سانچوں میں ڈھالنے کی برابر کوشش فرماتے رہے، مسائل شریعہ کے استحضار کے ساتھ اپنی تجارت کو بڑھاتے رہے، اور رفتہ رفتہ ایک بڑے تاجر بن گئے۔

## فراغت کے بعد کے کارنامے

فراغت کے بعد حضرت مولانا مرحوم کے دینی ودعوتی کارناموں کی ابتداء کچھ یوں ہوئی کہ ملازمت کے ساتھ مدرسہ دارالعلوم امدادیہ ممبئی میں ۹ رسال بلا معاوضہ کنزالدقائق، مقامات حریری، شرح عقائد اور دیگر فارسی وعربی کتابوں کا درس دیتے رہے، اور اسی کے ساتھ اصلاح معاشرہ کا بھی فکر فرماتے رہے، چناں چہ اپنی برادری کے چند نوجوانوں کی بے راہ روی کو دیکھ کر ایک مرتبہ ایک ہی شب میں ''قوم کے نوجوانوں سے خطاب'' نامی کتابچہ تحریر فرمادیا، جب کتابچہ چھپ کر آیا تو کچھ لوگوں نے اپنی اصلاح کے بجائے شور وہنگامہ برپا کردیا، پھر ایک خواب دیکھا جس سے تسلی ہوئی، اسی عرصہ میں اُمت کے مبلغ عظیم، لسان التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ سال بھر کے بیرونی سفر سے ممبئی لوٹے تو اِس واقعہ کا علم حضرت مولانا پالن پوری کو ہوا، حضرت مولانا عمر صاحبؒ نے حضرت مولانا مرحوم کو بلایا اور حوصلہ افزائی کے بعد فرمایا: ''طریق کار حکمت کے ساتھ ہونا چاہئے'' اور یہیں سے حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے ساتھ روابط بڑھنے شروع ہوگئے، اور پھر دعوت وتبلیغ کی طرف دن بدن رُجحان بڑھتا گیا، مہینے کے تین دن لگاتے رہے، ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ اس مبارک کام میں ایک چلہ لگایا، تین چار مرتبہ دعوت وتبلیغ کی نسبت سے چار چار ماہ کے لئے اندرون وبیرون ملک تشریف لے گئے، مصر، تونس، الجزائر، سعودی عربیہ، امریکہ، کنیڈا، فیجی، جنوبی افریقہ، جاپان، انگلینڈ، برما، تھائی لینڈ، فلپائن، کویت، آسٹریلیا وغیرہ ممالک کے طویل دعوتی اسفار کئے۔

## دارالعلوم چھاپی کی مجلس تعلیمی کی رکنیت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ممبئی سے اپنے وطن ''میتا'' گجرات اپنے اور بھائیوں کے مکانات کی تعمیر کی غرض سے کچھ ایام کے لئے تشریف لائے، اُن ایام میں دارالعلوم چھاپی کی مجلس تعلیمی کی رُکنیت کے لئے پیش کش ہوئی، مولانا نے دین کی خدمت سمجھ کر اسے قبول فرمالیا، پھر مسلسل پابندی کے ساتھ اُمور تعلیم پر توجہ فرماتے رہے، اور امتحانات کی نگرانی فرماتے رہے، پھر اہل شوریٰ نے باقاعدہ رُکن شوریٰ کے لئے انتخاب کیا، پھر ٹرسٹ کے لئے بھی نامزدگی عمل میں آئی، تعلیمی اُمور کے ساتھ مدرسہ کی تعمیرات پر بھی خصوصی توجہ مبذول کی، اس سلسلہ کا ایک مکتوب گجراتی زبان میں مدرسہ کے خزانچی مرحوم ماسٹر عبدالستار صاحب کے نام بوسیدہ اوراق میں پایا گیا ہے، جس میں تعمیرات کے متعلق ہدایات ہیں۔

## آخر میں سارا بوجھ آپ کے سر آ گیا

۱۹۸۵ء میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ فیروز پوری سابق مہتمم دارالعلوم چھاپی متعدد اسباب وعوامل کی بناء پر اچانک مدرسہ سے شعبان میں مستعفی ہوگئے، تو انتظام وانصرام کا مسئلہ پیش آیا، ارباب شوریٰ جس میں مفکر قوم صائب الرائے حاجی علاء الدین صاحبؒ جیسے افراد تھے، ان اہل شوریٰ نے چند اشخاص (حاجی عبدالخالق صاحب ''میتا'' حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش ''میتا'' حاجی اسماعیل صاحب بالوا ''فیروز پورہ'' حاجی عبداللہ صاحب ''ڈونگر یاسنا'' اور حاجی علاء الدین صاحب ''میتا'') کو عارضی انتظام سپرد کیا تاکہ بعد تعطیلاتِ رمضان مدرسہ حسب معمول جاری ہوجائے، اور ضرورت کے وقت مولانا اسماعیل صاحب سانگروی اور مولانا سلیمان صاحب مجادری سے بھی مدد لی گئی، اور حضرت مولانا سلیمان صاحب کاکوسی نوراللہ مرقدہ نے انتظامی اُمور میں مکمل رہبری فرمائی، اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

یہ عارضی انتظامی کمیٹی مدرسہ کا نظم ونسق سنبھالتی رہی، لیکن رفتہ رفتہ سارا بوجھ حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر آ گیا، امور تعلیم، مالی فراہمی اور داخلی انتظام مولانا سنبھالتے رہے، اور حاجی عبدالخالق صاحب زیدمجدہ ان اُمور میں مولانا کے معین کار رہے، اور تعمیرات کا نظام جناب حاجی عبدالخالق صاحب زیدمجدہ سنبھالتے رہے، اور مولانا مرحوم حاجی صاحب کے معین کار اور مشیر رہے، گویا مدرسہ کا نظم تعلیمات وتعمیرات ان دو حضرات پر منقسم ہوگیا۔

۱۵؍سال تک کسی عہدہ کے بغیر عارضی انتظامی کمیٹی کے مشورہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی صاحب کام کرتے رہے، اور مدرسہ کے لئے منتظم تلاش کرتے رہے، اور علاقہ کے ذمہ داروں سے صلاح ومشورہ کرتے رہے۔

## دارالعلوم دیوبند کے کارگذار مہتمم

جون ۲۰۰۳ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کے ارباب شوریٰ نے باتفاق رائے کارگذار مہتمم کی حیثیت سے انتخاب فرمایا، اس کے بعد دارالعلوم چھاپی کے اصحاب شوریٰ نے بھی متفقہ طور پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو منصب اہتمام کے لئے نامزد فرمایا، مولانا رحمۃ اللہ نام نہیں کام پسند فرماتے تھے۔ آپؒ انکار فرماتے رہے کہ نام کی کیا ضرورت ہے کام ہونا چاہئے، لیکن اربابِ شوریٰ نے آپ کو نامزد کر ہی دیا۔

## دارالعلوم چھاپی میں آپ کی خدمات

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر جب سے دارالعلوم چھاپی کا بار ڈالا گیا اُس وقت سے آج تک بہت سی مفید، گرانقدر خدمات اور اہم اور قابل ذکر کارنامے انجام دئے، جن میں ۱۹۴۲ء سے قائم مسجد کی بڑے پیمانے پر توسیع، مطبخ کی توسیع، کتب خانہ اور کتب خانہ کے نیچے درسگاہیں اور مجرد اساتذہ کیلئے کمرے، اساتذہ کے رہائشی مکانات میں اضافہ اور شمال وجنوب میں فیملی روم کی از سرنو تعمیر، پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے بورنگ کا انتظام، جگہ جگہ پر آر سی سی کی بڑی بڑی پانی کی ٹنکیوں کا انتظام، کافی تعداد میں استنجاء خانوں اور غسل خانوں کی تعمیر اور اس کے علاوہ اور بھی قابل قدر خدمات ہیں۔

اسی طرح تعلیمی اور تربیتی اُمور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ رہی، اس سلسلے میں بڑے متفکر رہا کرتے تھے، طلبہ عزیز کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو اور اساتذہ کی علمی ترقی ہو اس کی طرف توجہ مبذول رہتی تھی۔ چنانچہ دوران تکرار نگرانی کا ایسا نظام بنایا کہ بارِ خاطر بھی نہ ہو اور اساتذہ وطلبہ علمی نقصان سے بچ جائیں، کتب خانہ میں طلبہ عزیز کے مطالعہ کی ترتیب قائم کی اور نگراں کا تعین کیا اور طلبہ عزیز اپنی پنہاں صلاحیتوں اور مافی الضمیر کو حسین پیرایہ میں بیان کرسکیں اس کے لئے انجمن کا شعبہ وار اساتذہ کی نگرانی میں وقت اور موضوع کی تعیین کے ساتھ منظّم خاکہ بنایا۔ بیمار طلبہ کی خبرگیری فرماتے اور طلبہ کی رخصت اور اُن کی تربیت کا پورا خیال رکھتے تھے اور یہ مثالی

انتظام کئی مدارس کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا، حالانکہ مدارس کی داخلی وخارجی نزاکتیں اپنی منفردانہ حیثیات رکھتی ہیں، اور تعجب تو اس پر ہے کہ نظم ونسق کا پہلے سے کوئی تجربہ نہیں تھا، بس اللہ ہی کا انعام تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولاناؒ نے آہِ سحر گاہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خوب اور خوب مدد حاصل کی اور جو کچھ پایا وہ دعاء نیم شبی کا کرشمہ تھا۔

عطار ہو رومی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

منتظمانہ صلاحیتوں اور مخلصانہ کوششوں سے، اور فکر وجد وجہد سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پرواز بہت اونچی ہوگئی تھی، جس نے اکابر کی سرزمین دیوبند آپ کو لا اُتارا، اور دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے لئے آپؒ کا انتخاب غیبی طور پر عمل میں آیا۔

## دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت رکن شوریٰ

اس کے اسباب ومحرکات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین حضرت حاجی علاء الدین صاحبؒ کی وفات ۱۰؍جون ۱۹۸۸ء بروز جمعہ کو ہوگئی، حاجی صاحب مرحوم باصلاحیت، دور اندیش اور بقول حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ صائب الرائے تھے۔ ایسی بھاری بھرکم شخصیت کے قائم مقام کی تلاش میں ہندوستان کے نامور اکابر میں سے حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ نعمانی متفکر تھے، حضرت مولانا نعمانیؒ نے لسان التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ سے مراجعت کی کہ حاجی صاحب کا نعم البدل دارالعلوم کی شوریٰ کی رکنیت کیلئے مطلوب ہے۔ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ نے علاقہ پالن پور کے ارباب حل وعقد کو متوجہ کیا کہ دارالعلوم کی خدمات کے لئے کسی صاحب دل کو تلاش کریں، ابھی اہل علاقہ مشورہ کررہی رہے تھے کہ خود حضرت مولانا نعمانیؒ نے کسی سے معلومات حاصل کرکے حضرت مولانا غلام رسول صاحب کا نام شوریٰ کی رکنیت کیلئے پیش کردیا، ارباب شوریٰ نے مولانا کی شخصیت پر اطمینان کا اظہار کیا، اور صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم کی شوریٰ کی رکنیت کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ دارالعلوم کے مفاد کے پیش نظر مسلسل پابندی کے ساتھ شوریٰ کی تمام

مجالس میں شرکت فرماتے رہے، اور حسب موقع مناسب مشورہ دیتے رہے، مولاناؒ کے تدین، تقویٰ، صلاحیت واستعداد کی وجہ سے اہل شوریٰ میں دن بہ دن مقبولیت بڑھتی رہی۔

## دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت کارگذار مہتمم

پھر ہوا یہ کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند سخت علیل ہوگئے، آپ اپنے اعذار وامراض اور پیرانہ سالی کی وجہ سے مجلس شوریٰ سے درخواست کی کہ میرے ذمہ جو کام ہے اُس میں کچھ تخفیف کی جائے، مہتمم صاحب مدظلہ کی اس درخواست پر ۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ۷؍جون ۲۰۰۳ء کو اہل شوریٰ نے حضرت مولانا خاموش صاحب کو کارگذار مہتمم طے کیا، مولانا نے غور کرنے کے لئے ۲۴؍گھنٹے کی مہلت مانگی، اِس دوران بہت سے ارکان شوریٰ نے آپؒ سے انفرادی ملاقات کی اور باصرار یہ ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کی، حضرت مولاناؒ نے غور وفکر کے بعد عارضی طور پر اس منصب کو قبول فرمالیا، اہل شوریٰ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمانے پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شکریہ ادا کیا۔

## حضرت مولانا رحمہ اللہ پر دوہری ذمہ داری

مولاناؒ پر دارالعلوم چھاپی کے ساتھ جب سے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی ذمہ داری عائد ہوئی آپ اہل خانہ کی نظر میں گویا دنیا میں تھے ہی نہیں مولانا کے شب وروز کا مشغلہ مدارس اوران کی فکریں تھیں، مدرسہ دارالعلوم چھاپی اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ گجرات کے کئی مدارس کے یا تو رکن رکین تھے یا سرپرست، ان مدارس میں مندرجہ ذیل مدارس شامل ہیں: (۱) مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی ضلع پٹن، (۲) مدرسہ امدادالعلوم وڈالی ضلع سابرکانٹھا، (۳) مدرسہ سلم العلوم کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا، (۴) مدرسہ نورالعلوم گھٹامن ضلع بناس کانٹھا، (۵) مدرسہ انوارالعلوم وانکانیر کاٹھیاواڑ گجرات، (۶) مدرسہ عظمت الاسلام نوگاواں میوات ضلع الور، (۷) مدنی مرکز جوگیشوری ممبئی، (۸) مدرسہ حنفیہ مرغا گرین ممبئی، (۹) مدرسہ تربیت الاطفال بوستاں بلڈنگ ممبئی وغیرہ۔

نیز آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن بھی تھے، اور برائے نام رکنیت نہیں تھی بلکہ جس مدرسہ کے بھی رکن تھے اسے ترقی کی طرف گامزن کرنے کی مکمل فکر فرماتے تھے اور پورے عملہ کو حرکت میں رکھتے تھے اور کثرتِ مشاغل کے باوجود مکمل توجہ رکھتے تھے۔

## مولانا کی خدماتِ جلیلہ

علاوہ ازیں راجوسی، اجمیر، جے پور، ٹونک، جودھپور، جیسلمیر، باڈمیر، میوات کے اطراف میں چارسو پندرہ مکاتیب کا جال پھیلایا تھا۔ مولانا مرحوم اپنے بھائیوں نیز دیگر رفقاء کے جزوی مالی تعاون سے ان کی کفالت فرماتے تھے، اور پوری نگرانی رکھتے تھے۔ مولانا دیکھنے میں ایک سیدھے سادے فرد نظر آتے تھے لیکن وہ فرد نہیں تھے پوری انجمن تھے۔ من جملہ مساعی جمیلہ کے مدرسہ امدادیہ چونا بھٹی ممبئی میں نظام مطبخ کا قیام بھی ہے اس مدرسہ کے طلباء متفرق ہوٹلوں میں غرباء کی طرح مفت کھانے جاتے تھے یہ ترتیب مہمانانِ رسول ﷺ کی شان کے خلاف تھی۔ مدرسہ کے بانی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بہاری کو مولاناؒ نے ہی مدرسہ میں نظام مطبخ جاری کرنے کا مشورہ دیا، جو آج تک جاری ہے۔

ممبئی میں جوگیشوری میں مومن برادری کی منفرد کالونی مومن نگر کی تعمیر کے وقت سودی لون پر تعمیر کا خاکہ تیار ہو چکا تھا۔ مولاناؒ نے مع رفقاء انتھک کوشش کرکے اور مولانا محمد عمر صاحبؒ کی دعاء نیز مفید مشوروں سے پوری قوم کو سود سے بچالیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بغیر سودی لون کے اس تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔

امت کے احوال کی درستگی خصوصاً مومن قوم کی خصوصیات (سادگی، علم کا شوق، جذبۂ اطاعت، انفاق فی سبیل اللہ) کی رات دن فکر فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں پورے علاقہ کے چیدہ افراد کو، بمقام چھاپی جمع کرکے سب کو ماضی کا سبق یاد دلاکر مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا، اور پورے علاقہ میں اصلاح معاشرہ کی ایک تحریک چلادی جو مفید وبارآور ثابت ہوئی، آپ خاص خاص ذمہ داروں سے وقتاً فوقتاً اصلاح ومشورہ کرتے تھے اور حسب مشورہ دو دو ماہ پر اصلاح معاشرہ کا چھاپی میں پروگرام رکھتے تھے۔

حضرت مولاناؒ نے ۳ حج کئے اور ۸ عمروں سے مشرف ہوئے۔

## اصلاحی تعلق

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ اولاً شیخ المشائخ حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ سے بیعت ہوئے پھر حضرت کی وفات کے بعد حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کاندھلوی سے رجوع کیا پھر

حضرت جی کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہ العالی سے اصلاحی تعلق قائم کیا، آپ اوراد ووظائف کے پابند تھے۔ طبیعت وفطرت پہلے سے سلیم تھی، ۵؍جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷؍جولائی ۲۰۰۱ء بعد نمازِ جمعہ مسجد دارجدید مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ اجازت سے نوازے گئے، مگر اخفاء حال کی وجہ سے کسی کو اطلاع نہیں دی۔

## آپ کے اوصاف جمیلہ

آپ اوصاف واخلاق کے مالک تھے، ہمت کے دھنی اور صاحب علم وبصیرت تھے ابتداءً نوسالہ تدریسی دور کے بعد باقاعدہ تدریس کا موقع تو نہیں ملا لیکن کہنہ مشق مدرس کا سا تجربہ رکھتے تھے۔ اپنے زیر انتظام تدریسی خدمات انجام دینے والے مدرسین کو اپنی خداداد فراست ایمانی سے پہچان لیتے تھے اگر مدرس میں علیا کا استاذ بننے کی صلاحیت ہوتی تو ابتدائی درجات کی کتب سے مشق کراتے ہوئے آخری درجات تک بڑھاتے جاتے تھے، تاکہ مدرس کسی فن سے تشنہ نہ رہ جائے اور پوری معلومات رکھتے تھے کہ کس مدرس سے کون سا فن یا عربی کا کون سا درجہ بغیر پڑھائے رہ گیا ہے اور مقامی علماء کو باصلاحیت اور استاذ حدیث بنانے پر خاص توجہ رہتی تھی مدرسین کی ہمت افزائی فرماتے تھے تاکہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں قوت فیصلہ کے مالک تھے لیکن اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے، جب کسی چیز کے متعلق غور وفکر کے بعد بھلائی سمجھ میں آتی تو بلا حجت مان لیتے تھے۔

## طلباء کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ

مولانا طلباء کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے تھے جب آپ مدرسہ کے باقاعدہ ذمہ دار نہیں تھے اس وقت بھی مدرسہ دارالعلوم چھاپی کی تعلیم کا جائزہ لینے کیلئے تشریف لاتے تھے اس وقت کے مہتمم صاحبؒ کو تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دلاتے تھے، قدیم روئیدادوں میں اس کا تذکرہ ہے، تعلیم وتربیت مولانا کا خاص مشن تھا اس سلسلہ میں آپ کسی بھی ماتحت کی مفید رائے کو فوراً قبول فرمالیتے تھے۔ چنانچہ چند اساتذہ پر مشتمل مجلس تعلیمی بنائی تھی، جس کے مشورے سے ہر کام انجام دیتے تھے۔

## فکرمندی کا ایک واقعہ

آپ کے جواں سال داماد کی کار حادثہ میں شہادت ہوگئی چند بچوں کی ماں جوان بیٹی بیوہ

ہوگئی، مگر آپ نماز جنازہ کے بعد دوسرے ہی دن مدرسہ پہنچ گئے، اسی دن مدرسہ کھل رہا تھا اور تعلیمی سال کا آغاز تھا، ہوائی جہاز سے سارا صدمہ ساتھ لے کر ممبئی سے مدرسہ وقت پر ہم سے پہلے پہنچ گئے۔ بیٹی کی تسلی کے لئے رکنے کا موقع بھی نہیں ملا کوہِ الم سر پر اُٹھا کر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

مصائب میں اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک بہانا نہیں آتا

اس کا مشاہدہ اساتذہ نے کیا، اس حادثہ فاجعہ کے بعد جب آپ دارالعلوم چھاپی تشریف لائے تو چہرے سے غم کا اظہار تک نہ ہونے دیا حسب معمول امورِ داخلہ میں مشغول ہوگئے، اللہ اس صبر پر پورے گھرانے کو اپنے خزانۂ غیب سے بے شمار بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرماوے، آمین!

**مزاج:** آپ نرم خو ونرم مزاج تھے اپنے لئے انتقام کو گویا جانتے ہی نہیں تھے ہاں دینی غیرت میں مزاج فاروقی کی ضرور جھلک نظر آتی تھی أَيَنْقُصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ کا جذبہ دیکھنے کو ملتا تھا صاحب علم ومال ہونے کے باوجود طبیعت البَذَاذَةُ مِنَ الْإِيْمَان کا نمونہ تھی تواضع ان کا خاص وصف تھا۔ حضرت مولانا حنیف صاحبؒ ملّی شیخ الحدیث مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں ختم بخاری کے موقع پر جب دارالعلوم چھاپی تشریف لائے تو مجمع میں (مدرسہ کے متعلق مولانا مدظلہ کی ابتدائی تقریر سن کر) اپنے تاثرات کچھ اس طرح بیان فرمائے۔

''مولانا مدظلہ نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ ہم دین کے خدمت گار ہیں اور دین کے نام پر ہر اچھی بات اور اصلاحی ترمیم کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہیں مولانا کے اس انداز میں بلا کی سادگی اور مسکنت کارفرما ہے جو مدارس کی ترقی کیلئے خشت اوّل ہے موصوف کی خصوصی اور غیر معمولی توجہ سے طلبہ اور اساتذہ میں جو ڈسپلن دیکھا وہ قابل رشک ہے طلبہ کی وضع قطع اور لباس انتہائی شرعی ہے''۔

مزاج میں جود وسخاوت تھی انفاق فی سبیل اللہ کی غرض سے اپنی تجارت میں ایک مخصوص حصہ طے کرلیا تھا، صدقۂ جاریہ کے جذبہ نے احیاءِ مکاتب، اجراء درجات حفظ، تعمیرات مساجد میں اپنے مال کو خرچ کرنے پر آمادہ کیا تھا وسیع الظرف تھے اپنی فکریں ماتحتوں میں منتقل کرنے کا جذبہ رکھتے تھے تاکہ عارضی یا دائمی عدم موجودگی کا خلا محسوس نہ ہو اس وسعت ظرفی اور انتقالِ فکری کا ہر کوئی مشاہدہ کرتا تھا۔ چنانچہ سب کو متفکر کرنے کی غرض سے مدرسہ کے امور کو چند شعبوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر شعبہ کا ایک ذمہ دار طے کیا ہے اور سرپرستی بنفس نفیس تعمق نظر سے فرماتے تھے۔ باریک نظری تو مثالی تھی چھوٹی سی چھوٹی چیز پر باریکی سے نظر رکھتے تھے مصلحتاً گرفت کبھی نہ ہو وہ

دیگر بات ہے اتحادفکر کے قائل تھے اوراس کیلئے اپنی ذات کومٹانا پڑے تو آمادہ نظر آتے تھے کام کے قائل تھے باتوں کے نہیں کسی چیز کوسوچ کر طے کرنے کے بعد جب تک اس پر عمل شروع نہ ہوجائے تب تک سکون کا سانس نہ خود لیتے تھے نہ لینے دیتے تھے۔ حرص علی المال والامل کی عمر میں عیش وآرام کے نقشوں کے باوجود اپنے آپ کو مدرسہ کے روکھے سوکھے کھانے پر لا ڈالا تھا، اپنے مال میں خوب سخاوت اور مدرسہ اوراوقاف کے مال میں اقتصاد وکفایت شعاری خوب دیکھنے کو ملتی تھی تنگی بھی نہیں اور مقدار سے زائد خرچ بھی نہیں مدرسہ سے آج تک نہ تنخواہ لی نہ قیام وطعام کا مدرسہ پر بوجھ ڈالا، حتی کہ بجلی خرچ وسفرخرچ دارالعلوم چھاپی ودارالعلوم دیوبند میں بھی اپنے جیب خاص سے دیتے تھے مدارس کے مالیات میں احتیاط، اکابر کی یادتازہ کرتی ہے زندگی جہد مسلسل تھی پیرانہ سالی میں ہرکوئی اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تاکہ زندگی بھر کے تکان سے کچھ آرام مل جاوے مگر مدارس کا فکرادھر سے ادھر گھماتا پھراتا تھا، سفر پر سفر کھانا ملا تو شکر ورنہ صبر آرام مل گیا تو کرلیا ورنہ چلتے رہے، سفر کی تکان محسوس نہیں ہوتی بلکہ فرماتے تھے کہ مجھے حضر کے مقابلہ میں سفر میں کچھ آرام مل جاتا ہے۔ خلاصہ اینکہ مدارس، طلبہ واساتذہ، علاقہ اورامت کے لئے درمندانہ دل رکھتے تھے بقول بعض ذمہ دار ''حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے بعد برادری مولانا کی شخصیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے'' واقعی حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے بعد علاقہ میں مولانا مرجع الخاص والعام تھے۔ یہ چند باتیں میں نے اپنے علم کے مطابق لکھی ہیں، باقی جن لوگوں نے مولانا کو قریب سے دیکھا ہے وہ زیادہ جانتے ہیں۔

## علالت

رمضان شریف میں آپؒ کی طبیعت علیل ہوئی۔ علاج ومعالجہ کے بعد- الحمدللہ- صحت بحال ہوگئی، بعد رمضان ۳؍شوال سے اصلاح معاشرہ کے ممبئی پروگرام ہوئے جس کی چھ نشستیں ہوئیں، ہرنشست میں پوری بشاشت کے ساتھ شرکت فرمائی۔

۹؍شوال ۱۴۳۱ھ آپؒ اپنے محبوب ادارہ دارالعلوم چھاپی میں تشریف لائے۔ ۱۰؍شوال ۱۴۳۱ھ داخلے شروع ہوئے، داخلے کی جملہ کارروائی صحت میں کچھ تغیر کے باوجود احسن طریقے پر اپنے کمرے میں بیٹھ کر انجام دی۔ داخلے مکمل ہوئے حضرت والاؒ اپنی صحت میں کچھ فرق محسوس کرنے لگے۔ سانس گھٹنے کی شکایت کچھ زیادہ ہوتی چلی گئی، چلنا پھرنا زینے سے اُترنا چڑھنا آپؒ کے لئے مشکل ہوگیا، نماز بھی اپنے کمرے میں ادا فرماتے تھے، اپنے رفقاء کار کے مشورہ سے

مہمانہ تشریف لے گئے، ڈاکٹر شیخ جاوید سے معائنہ کرایا، رپورٹیں تسلی بخش تھیں۔ قدرے خون کی کمی پائی گئی، خون کو مطلوب مقدار میں لانے کے لئے دوائیں انجکشن شروع ہوگئے۔ اور جو ہدایات ڈاکٹر صاحب نے دی تھی اُس پر عمل بھی پوری مضبوطی کے ساتھ شروع فرمادیا۔ آپ چونکہ دیوبند کے کارگزار مہتمم تھے، وہاں کے تعلیمی وتربیتی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر آپؒ پر ہروقت سوار رہتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند ایک عالمی ادارہ اور ملت اسلامیہ کا قلب ہے۔ آپؒ کی دلی خواہش تھی کہ اس عالمی ادارہ کو صحیح نہج پر چلایا جائے تاکہ عالم کے سارے مدارس کا نظام ونہج بہتر ہوجائے۔ اسی علالت کے دوران آپؒ اپنے رفقاء کار سے دیوبند جانے کے لئے مشورہ کرتے رہے۔ دیوبند جانے سے ایک روز قبل اساتذۂ مدرسہ کو جمع فرمایا، جیسا کہ آپؒ کا سال کے آغاز میں معمول تھا۔ مدرسہ کے اُمور تعلیم وتربیت پر اساتذہ کے سامنے گفتگو فرمائی۔ اس مرتبہ کی مجلس گزشتہ کی مجالس سے بالکل مختلف تھی۔ آپ کی گفتگو کا بیشتر حصہ قضاء وقدر پر راضی رہنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک بات یہ بھی بیان فرمائی کہ میں آج ہوں کل نہیں، شوریٰ نے مجھے آج کان پکڑ کر نکال دیا تو میں چلا جاؤں گا مگر آپ کو یہاں رہ کر کام کرنا ہے، ہر ہر شعبہ کے ذمہ دار مقرر فرمائے کہ آپ کو شعبہ کی پوری نگرانی کرنی ہے، اور اس کے نشیب وفراز کو سمجھ کر کام کرنا ہے۔ مدرسہ کے ایک استاذ جناب مولانا طلحہ صاحب جو تدریس کے ساتھ کتب خانہ کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں اُن سے آخری ملاقات کے وقت فرمایا کہ میں دنیا سے جارہا ہوں آپ کتب خانہ کی ذمہ داری کو امانت داری کے ساتھ سنبھالتے رہنا جیسے کہ ابھی تک سنبھالتے رہے ہیں، کتب خانہ تمہارے حوالے ہے۔ گفتگو کے آخر میں فرمایا وما علینا الا العمل۔ اور تاکید کے طور پر پھر فرمایا وما علینا الا البلاغ نہیں کہتا بلکہ وما علینا الا العمل کہہ رہا ہوں۔ اور دوسرے دن دیوبند کے لئے روانہ ہوگئے۔

## وفات

نہایت افسوس کے ساتھ تحریر ہے کہ ۲۸؍شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۸؍اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ بوقت عصر حضرت نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے اور ہم کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

❁ ❁ ❁

# اکابر دیوبند کیا تھے؟

(۳/۲)

از: مولانا محمد تقی عثمانی
کراچی، پاکستان

۲۰- انہی حضرت میاں صاحبؒ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا، خود تو بہت کم خوراک کھاتے تھے باقی کھانا محلے کے بچوں کو کھلا دیتے تھے جو بوٹی بچ جائے اس کو بلی کے لیے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لیے اور دستر خوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہو۔(۲۶)

۲۱- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں، ان کے رُعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے، سفر کے آغاز میں مولاناؒ نے فرمایا کہ ''کسی کو اپنا امیر بنالو'' ہم نے عرض کیا کہ ''امیر تو متعین ہے'' مولاناؒ نے فرمایا: ''مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی''۔ ہم نے عرض کیا ''انشاء اللہ ضرور''! اب جو روانگی ہوئی تو مولاناؒ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اُٹھالیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا ''نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے'' پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔

۲۲- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رامپوریؒ رامپور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت وریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا، اور تمام اکابر دیوبند سے اس کے تعلقات تھے، جب یہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو ''چھوٹی مسجد'' ہی کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رامپوری کھڑے تھے، حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا، اس لیے ان سے پوچھا کہ کب آئے؟ کیسے آئے؟ انھوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہوں۔ حضرتؒ حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی۔ وہاں ان کے سونے کے لیے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا، اس وقت تو حضرتؒ یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں، انھیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اُٹھاتے ہوں گے، چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اُٹھائی اور اُسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے، وہاں سے فاصلہ کافی تھا، لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازار سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحبؒ مسجد سے نکل رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ یہ مجھے چارپائی اُٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انھیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی، چنانچہ انھیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

''لومیاں! یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں'' (۲۷)

## اِنابت وتقویٰ

۲۳- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو انابت وتقویٰ کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ یہ "سیماھم فی وجوھھم" کی مثال بن گئے تھے، اور لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ مولانا محمد انوریؒ فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے، اردگرد خدام کا مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لیے آرہے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زاروقطار رونے لگے اور پھر یہ زیارت ہی اُن کے ایمان کا ذریعہ بن گئی، وہ کہتے تھے کہ ''ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے۔'' (۲۸)

۲۴- تمام اکابر دیوبند کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ حروف ونقوش کے کتابی علم کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے تھے جب تک اس کے ساتھ انابت الی اللہ اور صلاح وتقویٰ نہ ہو، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے جب خانقاہ تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم

فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی، حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

''اچھا ہے بھائی، مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہوجاویں گے'' (۲۹)

۲۵- چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہی انابت الی اللہ پر تھی، راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

''ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم اس زمانہ میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا۔'' (۳۰)

۲۶- دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

''مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہیؒ عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔'' (۳۱)

ان کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی۔ ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسہ کے صحن میں باندھ کر کسی کام سے چلا گیا۔ دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آنکلے مولاناؒ کی گائے کو مدرسہ کے صحن میں دیکھا تو مولانا سے شکایت کی کہ ''کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے پالنے کے لیے ہے''؟ مولاناؒ نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کے بجائے یہ گائے دارالعلوم ہی کو دے دی اور قصہ ختم کردیا، حالانکہ مولاناؒ کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا، مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔ (۳۲)

۲۷- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے۔ جب دارالعلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا، طلباء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ بہت سے نئے شعبے قائم ہوچکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیت کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن احقر نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ پر توکل کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اُٹھا اور بعض

لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان کے بھی دشمن ہوگئے، ایسے حالات میں وہ رات کو دارالعلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، بعض بہی خواہوں نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہیے بلکہ احتیاط کے مدنظر کمرے کے اندر سونا چاہیے۔ مولاناؒ نے جواب میں فرمایا کہ: میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اُٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔'' (۳۳)

یہ دیوبند کے وہ بزرگ ہیں جو خالص انتظامی کاموں میں مصروف تھے اور جیسا کہ انتظامی امور کا خاصہ ہے وہ بعض مرتبہ موردِ اعتراض بھی بنے اور عموماً اولیاء اللہ کی فہرست میں ان کا شمار نہیں ہوتا ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

۲۸- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم وتدریس کی محنت اُٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہوجاتے اور فجر تک نوافل وذکر میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا، حضرتؒ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے، یہاں تک کہ حضرتؒ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور حتّٰی تورمت قدماہ کی سنت نبویہ ﷺ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرتؒ کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا، اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہوکر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب سے کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کردیجیے حضرتؒ کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لیے خوشی سے منظور کرلیا۔ تراویح ختم ہوگئی اور اندر حافظ صاحب لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے، انھوں نے ہوشیار ہوکر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ ان کی حیرت وندامت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا، وہ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے لیکن مولاناؒ فرمانے لگے کہ: ''نہیں بھائی، کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں، ذرا راحت آجائے گی۔'' (۳۴)

۲۹- حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے واقعات پہلے بھی آچکے ہیں، اُن کا علم وفضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں اس میں گم ہوگئیں ورنہ انابت وتقویٰ اور سلوک وتصوف میں بھی انھیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم سے

انھوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا۔ راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے، ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی اُن پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں پڑتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے، کچھ باتیں ہوئیں، پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہوگئے اور اُن پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہوہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا ''میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہوسکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں''۔ انھوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا، کچھ دیر کے بعد انھوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پرسکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

''کچھ نہیں ہے، لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے۔ ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔'' (۳۵)

## تبلیغ ودعوت کا انداز

۳۰- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جہاں تبلیغ ودعوتِ دین کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہاں اسے ''حکمت'' اور ''موعظہ حسنہ'' کے اصول پر انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا گزر جلال آباد یا شاملی سے ہوا، وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی، آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اُس نے کہا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں اور رنڈی باز ہیں، اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہوجائیں۔

مولاناؒ یہ سن کر خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے، وہ نشہ میں مست تھے اور رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مولاناؒ نے ان سے فرمایا: ''بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار

آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور یہ مسجد آباد ہو جائے۔'' خان صاحب نے کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دوُ بُری عادتیں چھوٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب نہیں چھوٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو۔ اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے، کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں، ایک یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔ فرمایا کہ: ''سجدے میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے ربّ العزت! کھڑا تو میں نے کر دیا، اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔'' چنانچہ ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا، اپنا عہد یاد آیا، پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے، لاؤ غسل کر لیں، کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی، مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک طوائف موجود تھی۔ پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔ وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ باہر آ کر رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔(۳۶)

❁ ❁ ❁

## حواشی:

(۲۶) انوارِ انوری، ص:۴۰۔ (۲۷) ارواحِ ثلاثہ، ص:۲۲۴، نمبر ۳۲۷۔ (۲۸) ''میرے والد ماجد'': از حضرت مفتی محمد شفیع مدظلہم، ص:۵۲۔ (۲۹) اشرف السوانح، ج۱، ص:۱۳۹۔ (۳۰) ''میرے والد ماجد، ص:۶۰) (۳۱) یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے (م ت ع)۔ (۳۲) حیات شیخ الہندؒ از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۹۔ (۳۳) حیات انور، ص: ۱۵۵ تا ۱۵۷۔ (۳۴) ارواحِ ثلاثہ، ص: ۱۵۰، ۱۵۱، نمبر ۱۹۱۔ (۳۵) ارواح ثلاثہ، ص: ۱۷۴، نمبر ۲۲۶۔ (۳۶) ''میرے والد ماجد'' از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، ص:۵۹۔

❁ ❁ ❁

# ان فتنوں پر میڈیا و ’’دانشوران‘‘ کو کیوں سانپ سونگھ گیا؟

از: ڈاکٹر ایم-اجمل فاروقی
۱۵-گاندھی روڈ، دہرہ دون

دیوبند یا کسی بھی مستند مسلم ادارہ سے جاری فتویٰ کا ملکی میڈیا کس طرح خوردبینی تجزیہ کر کے حسب توفیق برائی اور ملامت کا پہلو نکالتا ہے وہ حالیہ چند ماہ میں ہم بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ کس طرح فتویٰ کی زبان کو بدل کر اپنے مفہوم اس میں ڈال کر اس کو پوچھنے والے کے سیاق وسباق سے ہٹا کر دیوبند کی آڑ میں اسلام اور صرف اسلام کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہی خوردبیں، انسانیت کا حدود خواتین کا غمگسار میڈیا حالیہ دو بین الاقوامی غیر مسلم فتوی پر تا حال چپّی سادھے ہوئے ہے۔ پہلا فتویٰ توریت کے حوالہ سے اسرائیلی علماء یہود کی جانب سے اپنے پیروکاروں کو جاری کیا گیا ہے۔ اسرائیلی اخبار معاریف میں شائع خبر کے مطابق القدس کی ’’ہریڈیم سوسائٹی‘‘ کے علماء کی طرف سے تمام یہودی خواتین سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے سروں پر بڑی چادریں اوڑھیں اور اپنے جسم کو سر سے پاؤں تک مکمل طور پر ڈھانپنے کی پابندی اختیار کریں۔ فتویٰ میں موجودہ ہر قسم کے جدید لباس اسکرٹ، تنگ شلوار قمیص شامل ہیں پہننے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ صرف سیاہ رنگ کا ایسا لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو پورے جسم کو مکمل طور پر ڈھانپ دے۔ بیت المقدس میں جگہ جگہ اس فتویٰ پر عمل درآمد اور اس کی تشہیر کے لئے پوسٹر لگائے گئے ہیں۔ نیز ریڈی میڈ کپڑوں کے تاجروں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ تنگ اور چھوٹے تیار شدہ کپڑوں کی فروخت بند کر دیں، کیوں کہ یہ لباس تورات کی تعلیم کے منافی اور باعث عذاب ہے۔ اس ہدایت پر عمل نہ کرنے والے تاجروں کو نہ صرف ڈرایا دھمکایا گیا ہے بلکہ ان کی دوکانوں میں توڑ پھوڑ بھی کی گئی ہے۔ (روزنامہ صحافت، I.N.S. India) کے حوالہ سے ۳۰/۷/۲۰۱۰ء۔

دوسرا مسیحی فتویٰ ویٹکن کے سینٹ پیٹر گرجا کے جانب سے گرجا گھر آنے والے زائرین کے لئے جاری کیا گیا ہے، ان کو کہا گیا ہے کہ آنے والے زائرین بہت چھوٹے اور شرمناک مختصر گرمیوں کے لباس میں اندر نہیں آئیں گے۔ اب آنے والے زائرین کو داخلہ پر روک کر حفاظتی ملازمین ان کو درست لباس میں آنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس لئے آس پاس کپڑے کی دوکانوں سے لوگ اسکارف، پینٹ، رومال وغیرہ خرید کر ہی اندر جا پاتے ہیں۔ (ٹائمس آف انڈیا، دہلی ۲۹/۷/۲۰۱۰ء)

حالانکہ یہ خبریں میڈیا کے ذریعہ ہی آئی ہیں مگر یہ صرف خبر کے طور پر آئی ہیں ان پر تجزیہ، تحریریں، مباحثہ، مرثیہ، حقوق نسواں اور آزادی نسواں، سیکولرزم کی دہائی اور واویلہ نظر نہیں آئے، کیوں؟

اس سوال کا جواب ہمارے دانشوروں اور میڈیا دونوں پر قرض ہے۔ اور خواتین کے لئے لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ ایک طرح کے احکامات پر دو پیمانہ کیوں؟